فہرست

لمعات: (دانائے راز)	ادارہ	3
فکرِ پرویز۔۔ایک مختصر ترین تاثر	جمیل احمد عدیل، بورے والا	8
منظوم بیاد۔غلام احمد پرویزؔ	عبدالعزیز خالد، اسلام آباد	16
عالمی فقہ کی تجویز	خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی	17
تشکیل معاشرہ اور قرآنی کردار	ڈاکٹر علی نصیر عباسی	25
(جدید سائنس کے انکشافات)		
حُسنِ ظن اور ذاتِ انسانی	نیر اقبال علوی، لاہور	38

ENGLISH SECTION

JIHAD IS NOT TERRORISM (POWER)

by Ghulam Ahmad Parwez

English Rendering by Shahid Chaudhry 1

BELIEF IN ONE ALLAH

by Maj. Gen (Rtd) Ihsan-ul-Haq 13

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

دانائے راز

(غلام احمد پرویز کے مختصر حالاتِ حیات)

علامہ اقبالؒ نے دمِ واپسیں فرمایا تھا:

سرُودِ رفتہ باز آید کہ ناید — نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟
سر آمد روزگارِ ایں فقیرے — دگر دانائے راز آید کہ ناید؟

علامہ غلام احمد پرویزؒ (رحمتہ اللہ علیہ) کی ولادت مورخہ 9 جولائی 1903ء کو (موجودہ مشرقی پنجاب کے) ضلع گورداسپور کے قصبہ بٹالہ میں ہوئی۔ آپ کے دادا' مولوی' چوہدری' رحیم بخشؒ حنفی مسلک کے ایک جید عالم اور سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے ایک ممتاز بزرگ ہونے کے علاوہ ایک ماہر طبیب اور سنسکرت کے عالم تھے۔ علامہ غلام احمد پرویزؒ کی ابتدائی تربیت اپنے دادا کی زیرِنگرانی ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ میٹرک تک پہنچتے پہنچتے ان کی نگاہ کی مشرقی مغربی افقین کافی وسیع اور ''باطنی علوم'' کی گہرائیاں کافی عمیق ہوچکی تھیں۔

بی۔اے پاس کرنے کے بعد سول سروس میں چلے گئے اور 1954ء میں جب کہ آپ وزارتِ داخلہ میں اسسٹنٹ سیکریٹری کے عہدہ پر فائز تھے۔ قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی تاکہ اپنے قرآنی مشن کو پورا وقت دے سکیں۔

اس دوران میں آپ کی زندگی علمی معرکہ آرائیوں سے عبارت رہی۔ 1932ء میں ابوالکلام آزاد کے تفسیری ترجمہ' ترجمان القرآن کی پہلی جلد شائع ہوئی۔ انہوں نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کے سلسلے میں اپنے اس نظریہ کی تبلیغ بڑی صراحت سے کی تھی کہ:

> ''عالمگیر سچائیاں دنیا کے ہر مذہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں۔ اس لئے تمام مذاہب سچے ہیں لیکن پیروانِ مذہب سچائی سے منحرف ہوگئے ہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی ازسرِنو اختیار کر لیں تو میرا کام پورا ہوگیا۔ یہ فراموش کردہ سچائی کیا ہے؟ ایک خدا کی پرستش اور نیک عمل کی زندگی۔ یہ کسی ایک

گروہ کی میراث نہیں کہ اس کے سوا کسی انسان کو نہ ملی ہو۔ یہ تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہے۔''

علامہ پرویزؒ کی بصیرتِ قرآنی کے مطابق یہ نظریۂ اسلام کو اس کی جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر رکھ دیتا ہے۔ یہ برہمو سماج کی تعلیم تو ہو سکتی ہے قرآن کی نہیں۔ اس لئے آپ نے اس کی تردید میں ایک تفصیلی مقالہ لکھا جو ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) (سید سلیمان ندوی کی زیرِ ادارت) کی جنوری 1933ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔

اس زمانے میں ابوالکلام آزاد کی شہرت تابہ ثریا پہنچی ہوئی تھی۔ وہ قلم اور زبان کے بادشاہ اور علم کے سمندر سمجھے جاتے تھے۔ علماء کی صف میں وہ امام الہند قرار دیئے جاتے تھے۔ ان کی پیش کردہ تفسیر کی مخالفت اور وہ بھی ایک ''غیر مولوی'' کی طرف سے کسی کے حیطۂ تصور میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔ لیکن یہ علامہ پرویزؒ کی جرأتِ ایمانی تھی کہ آپ نے سب سے پہلے اس تفسیر پر اپنی تنقید شائع کی۔

1926ء میں ریاست بہاولپور کی ایک عدالت میں ایک مسلمان خاتون نے دعویٰ دائر کیا کہ اس کا خاوند قادیانی مسلک اختیار کرنے سے مرتد ہو گیا ہے لہٰذا اس شخص سے مدعیہ کا نکاح فسخ قرار دیا جائے۔ یہ مقدمہ قریب نو سال تک زیرِ سماعت رہا اور آخرالامر محمد اکبر صاحب (مرحوم) ڈسٹرکٹ جج بہاولنگر نے 7 فروری 1935ء کو اس کا فیصلہ سنا دیا۔ یہ فیصلہ علامہ پرویزؒ کے ایک مضمون ''میکانکی اسلام'' میں ضمناً بیان کردہ نبی کی تعریف کی بنیاد پر سنایا گیا تھا۔ جس کا ذکر فاضل جج نے اپنے فیصلہ میں وضاحت کے ساتھ کیا تھا۔ اس طرح قادیانیوں کو پہلی بار کافر قرار دینے کی علمی بنیاد علامہ پرویزؒ کی فراہم کردہ تھی۔ بعد میں آپ نے اس موضوع پر ایک کتاب ''ختم نبوت اور تحریکِ احمدیت'' 1974ء میں شائع کی۔

علامہ اقبالؒ کے خاکہ کے مطابق جناب پرویزؒ نے سلسلہ ''معارف القرآن'' کی ابتدا 1928ء میں کی۔ پہلی جلد کا عنوان تھا۔ ''اللہ'' جو بعد میں ''من و یزداں'' کے نام سے شائع ہوئی۔ پھر ''ابلیس و آدم'' تحریر کی۔ جس میں آدم۔ ابلیس۔ ملائکہ۔ جن۔ شیطان۔ وحی۔ رسالت وغیرہ عنوانات پر قرآنی تصریحات پیش کی گئیں۔ معارف القرآن کی تیسری جلد ''جوئے نور''۔ چوتھی جلد ''برقِ طور'' اور پانچویں جلد ''شعلۂ مستور'' حضرت نوحؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک انبیاء کرامؑ کے حالات زندگی کو محیط ہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ بعنوان ''معراجِ انسانیت'' شائع کی۔ وحی کی ضرورت اور اہمیت اجاگر کرنے کے لئے ڈھائی ہزار سال کی فکری کاوشوں کا نچوڑ۔ ''انسان نے کیا سوچا''۔ کے عنوان سے ایک کتاب میں پیش کیا۔ جس کو پڑھنے سے یہ حقیقت ابھر اور نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ عقلِ انسانی۔ انسانی مسائل کو حل کرنے میں کس طرح ناکام رہی ہے اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ وحی کی رو سے انسانی مسائل کا حل کیا ہے۔ آپؒ نے ایک کتاب بعنوان۔ ''اسلام کیا ہے؟'' شائع کی۔ معاشی مسئلہ ہمارے دور کا اہم ترین مسئلہ شمار ہوتا ہے۔ اس دور میں معاشی نظریات کی بنیاد پر دنیا دو بڑے بلاکوں میں منقسم تھی۔ اس مسئلہ کے قرآنی حل کو پیش کرنے کے لئے آپ

نے متعدد تقاریر کیں اور مضامین شائع کئے جن میں سے کچھ ''خدا اور سرمایہ دار'' نامی کتاب کی شکل میں شائع ہوئے۔ اس کے علاوہ ایک مبسوط تصنیف ''نظام ربوبیت'' شائع کی۔

تقدیر کا مسئلہ صدیوں سے الجھا چلا آ رہا ہے۔ اس مسئلہ کو قرآن کی روشنی میں حل کرنے کے لئے آپؒ نے ''کتاب التقدیر'' تحریر کی۔ آخرت کے متعلق قرآنی توضیحات کو ایک کتاب بعنوان ''جہانِ فردا!'' میں شائع کیا اور اس طرح قریب چالیس سال کی محنتِ شاقہ سے سلسلہ معارف القرآن کو تکمیل تک پہنچایا۔

علامہ احمد امین مصری (مرحوم) نے اپنی کتاب فجر الاسلام میں بڑی تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ دیگر قوموں کے تصورات کس طرح رفتہ رفتہ مسلمانوں پر اثر انداز ہوتے گئے اور یوں قرآن کے تصورات کی جگہ غیر قوموں کے تصورات نے لے لی۔ چنانچہ آج جسے مذہبِ اسلام کہا جاتا ہے۔ یہ مجموعہ ہے مختلف قوموں سے مستعار تصورات کا جن پر لیبل قرآنی اصطلاحات کا لگا دیا گیا ہے۔ ان تصورات سے اور تو اور عربی زبان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی تھی کہ قرآنِ حکیم کے الفاظ کا کوئی ایسا لغت مرتب کیا جائے جس میں نہ صرف الفاظ کے وہ معنی دیئے جائیں جو زمانہ نزولِ قرآن میں رائج تھے بلکہ ان الفاظ کے پس منظر میں قرآنی تصورات کی بھی وضاحت کی جائے۔۔۔۔ یہ کام ایک آدمی کے کرنے کا نہ تھا' لیکن اگر انسانوں کی ایسی جمعیّت موجود نہ ہو تو؟ جناب پرویز ہمت ہارنے والے نہ تھے چنانچہ آپ نے چار جلدوں میں ایک ایسا لغت تیار کر دیا جس کی تیاری میں اپنی قرآنی بصیرت کے علاوہ قریب پچاس عربی لغت حوالے کے لئے استعمال کئے۔

اس ضمن میں ایک دلچسپ واقعہ جناب پرویزؒ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

> ''اس لغت کے شائع ہونے کے بعد ایک دن ایک عراقی عالم مجھ سے ملنے کے لئے آئے۔ حکومتِ پاکستان کے رابطۂ عوامی کے ایک آفیسر بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اس نے کہا کہ عراقی علماء کی ایک تنظیم قرآنِ مجید کا لغت مرتب کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس کے لئے انہوں نے چاہا ہے کہ جہاں جہاں قرآن کا لغت مدون کرنے کا کام ہوا' یا ہو رہا ہو' ان حضرات سے مل کر اس سلسلہ میں ضروری معلومات حاصل کی جائیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس سلسلہ میں مجھ سے ملنے آئے ہیں اور یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ تنظیم کون سی ہے جس کے زیر انتظام تمہارے لغت کی تدوین کا کام شروع کیا گیا۔ وہ جماعت کن علماء پر مشتمل تھی' جس نے اس لغت کو مرتب کیا۔ اس کی تکمیل میں کتنا عرصہ لگا۔ اس پر کس قدر خرچ اٹھا۔ اس کی اشاعت کا انتظام کس نے کیا؟ وغیرہ وغیرہ۔ میں نے ان سے کہا کہ اس کے لئے نہ کوئی تنظیم تھی' نہ جماعت' نہ کوئی مالی ذریعے تھے نہ مادی اسباب۔ یہ سب

کچھ میں نے تنہا کیا ہے اور اس کے ساتھ یہ تمام کتابیں بھی تصنیف اور شائع کی ہیں جو آپ کو ان الماریوں میں نظر آ رہی ہیں۔ وہ صاحب خندۂ زیر لبی سے یہ سب کچھ سنتے رہے۔ میں کسی کام کے لئے گھر کے اندر گیا۔ باہر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایکا ایکی اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت طنزیہ انداز سے علیک سلیک کرتے ہوئے واپس جا رہے ہیں۔ ان کا یہ انداز اور اقدام ایسا ناقابل فہم تھا کہ ان سے اس کی وجہ دریافت کرنے کو جی ہی نہ چاہا۔ کچھ دنوں بعد' رابطۂ عوامی کے اس افسر سے جو ان کے ساتھ آئے تھے سرِ راہ میری ملاقات ہوئی' تو میں نے ان سے پوچھا کہ اس دن کیا بات ہوئی تھی؟ انہوں نے کہا کہ آپ اندر گئے ہیں تو ان صاحب نے کہا یہ شخص بالکل غلط بیانی سے کام لے رہا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص تنہا اتنا کام کر لے' سو جب یہ اصلی بات بتانا نہیں چاہتا تو اس سے کچھ پوچھنا بیکار ہے۔ میں یہ سن کر مسکرایا اور ان سے کہا کہ خیر گذری میں نے انہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ اس دوران میں میں نے تیس سال سرکاری ملازمت بھی کی ہے (اس نے اسے بتا دیا تھا)۔''
(طلوع اسلام' دسمبر 1978ء صفحہ 49)۔

سلسلۂ معارف القرآن اور لغات القرآن کے علاوہ جناب پرویزؒ نے ''مفہوم القرآن'' تین جلدوں میں مرتب کیا۔ قریب ڈھائی ہزار عنوانات کے تحت قرآنی مضامین کو مرتب کر کے ''تبویب القرآن'' شائع کی اور ''مطالب الفرقان'' کے نام سے تفسیر مرتب کر رہے تھے جس کی سات جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

سلیم کے نام خطوط (تین جلدوں میں) اور ''طاہرہ کے نام خطوط'' قرآنی تعلیمات پر مشتمل ادب پارے ہیں۔ کم تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے اسلامی معاشرت اور پھر قرآن کے بیان کردہ قوانین۔ بعنوان ''قرآنی قوانین'' اور انگریزی زبان میں کتاب۔۔۔۔ (Islam a Challenge to Religion) اس پر مستزاد ہیں۔ غرض کس کس کاوش کا ذکر کیا جائے۔

ان علمی کارناموں کو سرانجام دینے کے علاوہ آپ نے تحریکِ پاکستان میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ قائداعظمؒ کے ارشاد کے مطابق دہلی سے ماہنامہ طلوع اسلام جاری کیا جو اپنے پہلے دور میں اپریل 1938ء سے مئی 1942ء تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا اور اس کے ذریعے آپ نے تحریک پاکستان کے مخالف نیشنلسٹ علماء کے مقابلے میں قلمی جہاد کیا۔ اس دور میں یہ واحد جریدہ تھا جس نے تحریک پاکستان کے دینی پہلو کو اجاگر کیا اور بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ تحریک پاکستان کی صحیح اور مکمل تاریخ طلوع اسلام کے اس دور کے فائل کے بغیر مرتب نہیں کی جا سکتی۔

قائداعظمؒ پروٹوکول کے بڑی سختی سے پابند تھے۔ انہیں کوئی شخص پیشگی وقت لئے بغیر نہیں مل سکتا تھا لیکن یہ شرف جناب

پرویزؒ کو حاصل تھا کہ آپؒ کسی بھی وقت قائداعظمؒ سے ملاقات کر سکتے تھے۔ باوجود اتنے قریب ہونے کے جناب پرویزؒ نے کبھی اس بات کو فخریہ بیان نہیں کیا اور نہ ہی پاکستان بن جانے پر کوئی مراعات حاصل کیں۔

پاکستان بن جانے کے بعد جنوری 1948ء میں آپؒ نے دوبارہ طلوع اسلام شائع کرنا شروع کیا۔ جو باقاعدگی سے تاحال جاری ہے۔ پاکستان بن جانے کے بعد پاکستان کے دشمن عناصر بھی یہاں ہجوم کر کے آ گئے اور یہاں آ کر پر پرزے نکالنے لگے۔ اب ان کے پیش نظر مقصد یہ تھا کہ ان کی مخالفت کے علی الرغم اگر پاکستان بن ہی گیا ہے تو اس میں وہ نظام نہ رائج ہونے دیا جائے جس کے لئے اسے حاصل کیا گیا تھا۔ وہ اسلام کی آڑ میں یہاں تھیاکریسی رائج کرنے کی کوششیں کرنے لگے۔ اب دوبارہ جناب پرویزؒ کو ان کے خلاف قلمی جہاد کرنا پڑا۔ قراردادِ مقاصد اور علماء کے بائیس نکات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں جن پر جناب پرویزؒ نے تفصیلی تنقید کی۔ آپؒ نے تفصیلاً بتایا کہ جسے علماءٔ سنت کہتے ہیں وہ نہ تو متفق علیہ ہے کہ اس کی رو سے کوئی متفق علیہ قانون مرتب کیا جا سکے۔ علماء کا سنت پر اس قدر زور دینا محض اس لئے ہے کہ یہاں قرآنی نظام رائج نہ کیا جا سکے۔ مخالفین سے آپؒ کے پرزور دلائل کا جواب تو بن نہ پڑا۔ انہوں نے آپؒ کے خلاف فتویٰ کفر دے دیا جس پر ایک ہزار ''علماء'' کے دستخط ثبت تھے۔

ضخیم تصانیف کی لمبی فہرست۔ ماہنامہ طلوع اسلام کے ہزارہا صفحات۔ ہفتہ وار درس اور تقاریر کے ٹیپس (Tapes) کا ڈھیر جو اب سی ڈی/ ڈی وی ڈی کی شکل میں دستیاب ہیں نیز تسوید کے بعد طباعت بھی ہو چکی ہے۔ تحریکِ پاکستان میں، باوجود سرکاری ملازم ہونے کے سرگرم شمولیت، قائداعظمؒ سے قرب حاصل ہونے کے باوجود مراعات حاصل کرنے سے انکار، اپنے خلاف کفر کے فتوؤں سے بے پروا ہو کر اپنے مشن میں مگن۔ اپنی ہزار سالہ تاریخ کھنگال ڈالئے۔ ہے کوئی ایک بھی ایسا شخص جس نے تنِ تنہا اتنا زیادہ اور اتنا ٹھوس کام کیا ہو؟

15 اکتوبر 1984ء کو آپ نے آخری بار درسِ قرآن دیا اور اس کے بعد مسلسل بستر علالت پر رہے۔ اور 24 فروری 1985ء کو شام چھ بجے آپؒ اس دارِ فانی سے انتقال فرما گئے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍO وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِO (55:26-27)-

کیونکہ ؎

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمیل احمد عدیل

فکرِ پرویز۔۔ایک مختصر ترین تاثر

جہاں تک ہمیں یاد پڑتا ہے' یہ کوئی تیس بتیس سال پرانی بات ہے' یعنی یہی کوئی آٹھ دس برس کی عمر میں ہماری سماعت سے یہ فقرہ ٹکرایا تھا' ''لو جی! مسلمانوں میں پرویزیوں کے نام سے ایک نیا فرقہ ایجاد ہو گیا ہے۔'' یہ الفاظ ہمارے ایک پیر پرست مہربان کی زبان سے ادا ہوئے تھے۔ یہ صاحب پاکپتن میں ہمارے میزبان تھے۔ یہ تھا ''فکرِ پرویز'' سے ہمارا پہلا تعارف۔ عہدِ طفولیت میں بھلا ہمیں اس ''فرقے'' سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی' تاہم تجسس کا پہلا بیج اسی دن بو یا گیا۔ کئی سال گزر گئے' لیکن نہ جانے کیوں متذکرہ نیم طنزیہ تعارفی جملہ ہمیں بھولا نہیں' تا آنکہ ہمیں دسویں جماعت میں ایک بزرگ استاد کے روبرو زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا موقع ملا۔ رحیم بھٹہ صاحب اس ہستی کا اسم گرامی ہے۔ جو اب کافی معمر ہو چکے ہیں۔ ''جماعت احمدیہ'' کے برگزیدوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ہمیں رحیم صاحب کے بے حد احترام کے باوجود ان کے مذہبی اعتقادات سے اتفاق نہیں ہے۔ ان کے متعلق اور کیا کہیں بس غالبؔ کا یہ شعر عرض کر سکتے ہیں ؎

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں
مانا کہ اِک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

اس عاجز پر رحیم صاحب کے لاتعداد احسانات میں سے سرفہرست یہ ہے کہ انہوں نے ہمیں ''فکر پرویز'' سے باقاعدہ متعارف کروایا۔ ان کی وساطت سے ہی غلام احمد پرویز کی تصنیف ''قتلِ مرتد' ہمیں ملی۔ میٹرک کا سٹوڈنٹ ایک علمی کتاب سے جتنا استفادہ کر سکتا ہے' ہم نے بھی کیا۔ آپ اس سے اندازہ کر لیں کہ کم و بیش ربع صدی گزر جانے کے باوصف نہ صرف اس کتاب کے مندرجات ہمیں اچھی طرح یاد ہیں بلکہ اس حوالے سے پرویز صاحب کے مثبت نقطہ نظر نے مستقل ہمارے قلب و ذہن میں جگہ بنا لی۔ بعد میں ایسی کئی تقریریں اور تحریریں ہماری سماعتوں اور بصارتوں سے ٹکرائیں جن میں ارتداد کو جرم ثابت کرنے کے لئے بعض روایتی سوچ رکھنے والوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا' لیکن سچی بات ہے ان کی ایک بات بھی دل کو نہ

لگی۔ اسی طرح غلاموں اور لونڈیوں کے متعلق پرویز صاحب نے جوصراحت کی' وہ اتنی معقول ہے کہ اس کا ہر جواب پوچ ہے۔بعض علمی مجالس میں ہم نے ''رسک'' لے کر اس باب میں بعض ثقہ علماء کرام سے براہ راست استفسارات کر کے بھی دیکھ لیا' لیکن جواباً ہمیں قابل رحم عجز کا مشاہدہ ہی کرنا پڑا اور ہم سوچتے ہی رہ گئے کہ محض ایک شخص کی معاندت اور غیر مستند تاریخ و روایات کی صنم پرستی نے انہیں کیسے دن دکھا دیئے ہیں کہ کائنات کی پاکیزہ ترین شخصیت ﷺ کا تقدس بھی انہیں عزیز نہیں رہا کہ بلا جھجک زبان پر ایسی ناروا باتیں لے آتے ہیں کہ حضور ﷺ سے محبت رکھنے والے ایک عام اور گنہگار مسلمان کی روح بھی کانپ اٹھتی ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ انہیں راستی کا راستہ دکھائے۔

قصہ مختصر علم وادب سے وابستگی جیسے جیسے پختگی کے مراحل طے کرتی گئی غلام احمد پرویز مرحوم کی تصانیف کا مطالعہ جاری رہا۔ اگرچہ اس دوران میں کئی پڑاؤ آئے' طویل وقفے بھی آئے ؎

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

1983-85ء کا عرصہ بی۔اے کے طالب علم کی حیثیت سے ایف سی کالج میں گزرا۔ ہوسٹل میں مقیم رہے۔ اچھی طرح معلوم تھا کہ 25/B گلبرگ 2۔ پرویز صاحب کی رہائش ہے۔ یہ بھی خبر تھی کہ آپ ہر ہفتے درس قرآن دیتے ہیں۔''ثواب طاعت و زہد'' جاننے کے علی الرغم جانے کیوں طبیعت ادھر نہیں آئی۔تعلق خاطر جانے کس کس نوع کے دار و رسن کی اور لئے پھرا بس ادھر رخ نہ ہو سکا ''ورنہ قریب تر تھا شبستاں کھلا ہوا''۔حقیقت یہ ہے سب سے بڑی نعمت' نعمت کی موجودگی کا احساس ہے اور ہمیں بھی اس نعمت کا احساس اس دن ہوا جب یہ نعمت روئے ارض پر موجود نہ رہی۔ایک دم قدرت اللہ شہاب کے افسانے ''چندراوتی'' کا پہلا فقرہ یاد آیا ہے:

''جب مجھے چندراوتی سے محبت شروع ہوئی۔
اسے مرے ہوئے تیسرا روز تھا.....''۔

صاحبو! ہم وہ تاریخی دن کیسے بھول سکتے ہیں' جی ہاں 25 فروری 1985ء(1) ہم اپنے کزن سے ملنے ایف۔سی کالج سے ریواز گارڈن گئے۔ واضح رہے ان دنوں ہمارے پاس ایگل کی بائیسکل ہوا کرتی تھی اور پورا لاہور اس کے دو پہیوں کی گردش میں سمٹنے پر مجبور بلکہ ''مجبورِ محض'' تھا۔ وہیں ریواز گارڈن میں اخبار کے پہلے صفحے پر ہماری نظر پڑی' پرویز صاحب کے سانحہ ارتحال کی خبر نے بے کل کر دیا۔ان کی موت سے زیادہ افسوس ہمیں یہ لاحق ہو گیا کہ اتنا قریب ہونے کے باوجود ان سے مل نہیں سکے' انہیں سن نہیں سکے' ان کی زیارت نہیں کر سکے۔اسی تاسف نے جسم و جاں میں ایک عجیب سی توانائی بھر دی' اپنی سائیکل

اٹھائی' ریواز گارڈن سے سیدھے 25/B گلبرگ پہنچے۔ سفر آخرت کی تیاریاں ہو چکی تھیں۔ پرویز صاحب ایک چارپائی پر پڑے ابدی نیند سو رہے تھے۔ ان سے محبت کرنے والے ان گنت احباب اردگرد موجود تھے' کہیں آنسو رواں ہیں' کہیں دبی دبی سسکیاں تو کہیں قدرے بلند آواز میں گریہ۔ پرویز صاحب کے بھائی (مرحوم) ڈاکٹر عارف بٹالوی سب کو تسلیاں بھی دیتے جاتے تھے اور خود روتے بھی جا رہے تھے۔ ہم نے بار بار جی بھر کے اس عظیم انسان کو دیکھا جس نے ایک عہد کو متاثر کیا تھا۔ برآمدے میں ایک عمر رسیدہ شخص اونچی آواز میں اپنے محسن پرویز صاحب کو یاد کر رہا تھا۔ اس کا نام مرزا سلطان بیگ (نظام دین) تھا۔ جنازہ روانہ ہوا۔ ہم بھی اس جلوس میں شامل رہے۔ منی مارکیٹ کی گراؤنڈ میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ تدفین کا مرحلہ آیا تو بھی ہم موجود رہے۔ ہمیں اچھی طرح یاد ہے ان کے کسی عزیز نے دور سے (غالباً کراچی سے) پہنچنا تھا' چنانچہ تدفین کے مرحلے کو کچھ مؤخر کر دیا گیا کہ فلائٹ کا انتظار کیا جانے لگا۔ اس دوران میں کہ ان کی آخری آرامگاہ تیار ہو چکی تھی' پاس چارپائی پر ان کی میت پڑی تھی۔ قریب ہی جناب حنیف رامے نے اپنی چادر بچھا دی۔ ہم لوگ ان کے کہنے پر وہاں بیٹھ گئے۔ ان دنوں رامے صاحب کا ایک مضمون جو روزنامہ ''جنگ'' میں چھپا تھا' بے حد متنازع ہونے کی وجہ سے ہر حلقے میں موضوع گفتگو بنا ہوا تھا۔ اس خاکسار نے اس مضمون کی بابت رامے صاحب سے جو دو ایک سوالات پوچھے تو اچھی خاصی محفل جم گئی۔ بڑی گرما گرم باتیں ہوئیں۔ واپس آ کر اس گفتگو کے تضمنات پر مبنی اور پرویز صاحب کے آخری سفر کی روداد' جو دس بارہ صفحات پر مشتمل تھی' ہم نے رحیم صاحب کو خط کی صورت میں بھیجی تھی' کیا عجب ان کے پاس یہ مفصل خط محفوظ ہو۔

بہرنوع وقت کا دریا اپنے غیر متعین تعینات کے ساتھ بہتا رہا۔ ہم ''طلوع اسلام'' کا باقاعدگی سے مطالعہ کرتے رہے۔ ایک آدھ کنونشن میں شریک ہونے کی سعادت بھی ملی۔ کبھی کبھار پرویز صاحب کی کسی کتاب میں سے بھی گزرنے کا موقع ملتا رہا۔ ''فکر پرویز'' سے تعلق رکھنے والے دوستوں' اسلم صابر صاحب' محمود الحسن صاحب' ڈاکٹر اسلم نوید صاحب اور دیگر منسلکین سے رابطے رہے' مکالمات کا تبادلہ ہوتا رہا' ذہنی افق پھیلتا رہا۔ لیکن حق یہ ہے کہ پرویز کو پڑھنے اور سمجھنے کا حق ابھی ادا نہیں ہوا تھا۔ اب سے کوئی تین سال قبل کی بات ہے کہ یہ عاجز بسلسلہ ملازمت ساہیوال میں مقیم تھا۔ وضاحت کر دیں کہ ہمارا تعلق شعبہ تدریس سے ہے۔ کوئی 15/16 سال ہو گئے ہیں' مختلف کالجوں میں پڑھاتے ہوئے۔ 2001ء میں جب ڈسٹرکٹ گورنمنٹس کا ڈول ڈالا گیا تو ہماری رضا معلوم کیئے بغیر ''جبراً'' ہمیں کلاس روم سے اٹھا کر آفس میں بھیج دیا

گیا۔ ممکن ہے عامیوں کی نگاہ میں ''ڈائریکٹر کالجز'' ہونا عزت کی بات ہو پر ہمیں تو یہ سراسر قید بامشقت کے مشابہ عمل محسوس ہوا۔ لہٰذا دو اڑھائی سال مسلسل سفارشیں ڈھونڈتے رہے کہ کوئی ''رجل غیب'' ہمیں اس جھنجٹ سے نجات دلا دے' ہم باز آئے اس ''ایجوکیشن افسری'' سے۔ سیدھی سی بات ہے ہم تو انہیں لفظ وحرف ہی ماننے کو تیار نہیں جولٹریچر (علم وادب) سے واسطہ نہ رکھتے ہوں اور یہاں تو اعداد تھے' ہندسے تھے' لایعنی میٹنگز تھیں' انکوائریاں تھیں ٹیکنیکل انسپیکشنز تھیں' فزیبلٹی رپورٹس تھیں' Expenditure State Ments تھیں' آڈٹ تھے' جی حضوری کی ایک زنجیر تھی۔ دستور یہی تھا کہ اوپر والوں کی ہر نامعقول بات ہنسی خوشی سہو اور نیچے والوں پر خوب خوب رعب گانٹھو۔ کیا عرض کریں اس افسری لائن میں تلخیاں ہی تلخیاں تھیں' چنانچہ اب بھی یہ گنگناتے رہتے ہیں'' جنہیں ہم بھولنا چاہیں وہ ''افسر'' یاد آتے ہیں۔''

خیر وہ جسے Good out of Evil کہتے ہیں۔ اس کی رو سے مذکورہ اذیت بلکہ ''شر'' میں سے ہمیں بھی خیر کے کچھ پہلو ضرور ملے۔ میر درد نے کیا عمدہ شعر کہا ہے ؎

خیر و شر کو سمجھ کہ ہیں دو زہر
سانپ کی زیست ہی تجھے سم ہے

یہ درست کہ لمحۂ موجود میں ہم آزاد ہیں' اس ''سمناک'' ماحول سے ہمیں چھٹکارا مل چکا ہے لیکن یہ بہت بڑا سچ ہے کہ اگر اس Misery کا ہمیں ذاتی طور پر تجربہ نہ ہوا ہوتا' زندگی کی سفاک جہتوں کے ہم خود شاہد نہ ہوتے تو ممکن ہے پرویز صاحب کی تصانیف میں موجود ''زندگی کے زہر'' کو نوشِ جاں کرنے کی صلاحیت سے عاری رہتے۔ وہی بات ؎

گرنی تھی ہم پہ برقِ تجلی' نہ طُور پر
دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

صاحبو! آپ ذرا سوچئے وہ فرد جس نے چالیس برس مذہبی گھرانے' مذہبی معاشرے میں بتائے ہوں کیا وہ مذہب کے بغیر لقمہ بھی توڑ سکتا ہے؟ نہیں جناب یہ قریب قریب ناممکن ہے۔ اس فرد کے طرزِ احساس کی بُنت میں مذہب کا Fibre بنیادی تانے بانے کے طور پر شامل ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر اتفاق سے کوئی ایسا واقعہ اس فرد کے ساتھ پیش آ جائے کہ اسے ''بدنصیبی'' سے اپنے مخصوص مذہبی نظریات کو خالص معروضیات کی دھوپ میں کھینچنا پڑ جائے' غیر جانبدار ہو کر ان کا جائزہ لینا پڑ جائے' ہر خوش عقیدگی کو منہا کر کے ان کا تجزیہ کرنا پڑ جائے تو عین ممکن ہے نتائج کی بے رحم صورت دیکھ کر اس فرد کو ہارٹ اٹیک آ جائے اور وہ سچائی کی تاب نہ لا کر اس دنیا سے ہی کوچ کر جائے۔

دوستو! یہ خاکسار عربی' فارسی' انگریزی اور اردو کے بہت بڑے عالم پرویز کو اپنا محسن کیوں نہ قرار دے کہ ہمیں موت کی وادی سے بچانے والا یہ واحد بندہ ہے۔ بات جسمانی موت کی نہیں' مسئلہ ذہنی موت کا ہے۔ ہمیں

پرویز نے ذہنی موت سے بچایا ہے۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو ذہنی موت سے قبل جسمانی طور پر مر جائے اور بدقسمت ہے وہ انسان جو ذہنی موت کے بعد جسمانی سطح پر زندہ رہے۔ کوئی اس عذاب کو کیا سمجھ سکتا ہے۔

دفتری زندگی کے دوران ایک مرتبہ نہیں ان گنت مرتبہ ایسا ہوا کہ زندگی بغیر کسی آراستگی کے، بغیر کسی ورق کے، ہر Drapery سے مکمل بے نیاز سامنے آتی رہی۔ ایسے لمحے بار بار آئے کہ غیبی قوتوں کی اشد ضرورت محسوس ہوئی، لیکن یہ کیا کہ Stretch the Truth والا فارمولا بلکہ مجرب نسخہ بھی آزما کر دیکھ لیا، پر ہوا کچھ نہیں، جو زمینی حقائق تھے، وہ جوں کے توں رہے، جو سچ تھا، وہ وہی رہا۔ اسباب کا جادو ہی سر چڑھ کے بولا، علت اور معلول کے بیچ رشتے کی توانائی اس شدت سے ابھر کر سامنے آئی کہ I was Stumped.

طاقچے کے خطوط پڑھتے پڑھاتے عمر بیت گئی تھی، کچھ پلے نہیں پڑا تھا، یہ پرویز ہی تھا جس نے اقبال کے یہ شعر یوں سمجھائے کہ ہمیں ''کلیات اقبال'' میں انہیں اس نیت سے تلاش کرنا پڑا، کہیں یہ اشعار پرویز نے خود گھڑ کر تو اقبال سے منسوب نہیں کر دیئے، آپ بھی سنئے:

تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے
تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
مری دعا ہے تری آرزو بدل جائے

جی ہاں صاحبو! یہ پرویز صاحب کی ''کتاب التقدیر'' تھی جس کے بالاستعیاب مطالعہ نے وہ گرہ کھول دی جو ذہن میں بیس برس سے پڑی ہوئی تھی، کس کس نکتہ ور کی بارگاہ میں ناصیہ فرسائی نہیں کی تھی ہر کہیں سے ایک سا ہی جواب موصول ہوا تھا۔ ''نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی''۔ اس معرکہ آرا کتاب کے مطالعہ کے بعد سب سے پہلے تو اپنے اللہ سے ہاتھ باندھ کر معافی مانگی کہ یارب الارباب! اس عاصی کو معاف کر دے کہ اب تک اپنا ہر جرم تیرے کھاتے میں ڈالتا آیا ہوں۔ تیرے قادر ہونے کا مفہوم اصفیاء و علماء نے مجھے یہی سمجھایا تھا کہ گناہ کی توفیق بھی تو دیتا ہے، نیکی کی سعادت بھی تو ہی بخشتا ہے۔ گمراہ بھی تو کرتا ہے، ہدایت کے جادے پر بھی تو ہی گامزن کرتا ہے۔ بندہ مجبور ہے، تیرے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہے، مختاری کی تہمت سے مہتم .....لیکن یہ پرویز تھا جس نے قرآن کھول کر دکھایا کہ نہیں نہیں یہ پاک خدا پر الزام ہے، اس نے تو ہر انسان کو مکمل اختیار دیا ہوا ہے اور پھر اس نے وہ آیات ایک ایک کر کے سمجھائیں جن میں تضاد محسوس ہوتا تھا، جو خدا کو غیر عادل ثابت کرتی تھیں، بے انصاف بتاتی تھیں۔ بندے کو مجبور صورت میں پیش کرتی تھیں۔ جب سارے عقدے کھل گئے تو زبان اپنے آپ یہ تلاوت کرنے لگی: ؎

نہ یہ تقدیر کا لکھا تھا نہ منشائے خدا
حادثے مجھ پہ جو گزرے مرے حالات میں تھے

ضمناً پرویز صاحب نے ہی وضاحت کی' قرآن مجید کی کوئی آیت تو دور کی بات ہے' ایک نقطہ' شعشہ تک بھی منسوخ نہیں۔ ورنہ بڑے بڑے زہاد پانچ سات آیتوں کے سامنے دم بخود یہ اقرار کرتے پائے گئے: اے آیتو! تم پر تو عمل نہیں ہوسکتا۔

سبحان اللہ یہ کریڈٹ اس پرویز کے کھاتے میں ہی لکھا جائے گا جسے سارے علماء صبح وشام کافر کافر کہتے نہیں تھکتے۔ آپ یقین کیجئے مسئلہ تقدیر سمجھ میں آنے کے بعد اس عاجز کو وہی لذت محسوس ہوئی جو پوری تحقیق کے بعد کسی نو مسلم کو قبول اسلام کی ملکوتی ساعت میں محسوس ہوتی ہوگی۔

غلام احمد پرویز کا دوسرا بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے ختم نبوت کا حقیقی مفہوم سمجھا یا تفصیل پھر کبھی سہی' اجمالاً اتنا عرض ہے کہ احمدیوں کے ساتھ ہمارا بڑا وقت گزرا ہے۔ ہم نے ان لوگوں کو مجموعی طور پر اچھے کردار والے انسان پایا ہے' شرافت اور علم تقریباً ہر احمدی کے امتیازی اوصاف ہیں کہ ان کی جماعت منظّم ہے' تربیتی نظام مثالی ہے لیکن ان لوگوں کے اعتقادات ریت کی دیوار ہیں۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ اس قدر اعلیٰ تعلیم یافتہ اصحاب کیوں معروضی بنیادوں پر اپنا جائزہ نہیں لیتے؟ ہم اپنے طور پر اس کی دو وجوہ تلاش کر سکے ہیں۔ پہلی یہ کہ ہمارے علماء نے اس جماعت کے خلاف نفرت کی ایسی فضا تیار کی ہے کہ یہ لوگ اپنے کمزور عقیدوں کے ساتھ اور زیادہ مضبوطی سے جڑ گئے ہیں۔ اگر انہیں پیار کے ساتھ بات سمجھانے کی کوشش کی جاتی تو آج نتائج یکسر مختلف ہوتے۔ دوسری بات بھی خاص اہمیت کی حامل ہے کہ ختم نبوت کے باب میں عام مسلمانوں کا قریب قریب وہی موقف ہے جو خود قادیانیوں کا ہے۔ جی ہاں ایک آنے والے کا عقیدہ مسلمانوں کی میراث ہے۔ ''ہم نے احمدی علماء VS علمائے اسلام'' کافی مناظرے سنے ہیں۔ ہمیشہ یہی دیکھا کہ عام سے احمدی نے بھی اچھے بھلے عالم دین کو وہ عبارات دکھا کر لاجواب کر دیا جن میں غیر تشریعی نبوت کے اجرا کو ہمارے اکابرین نے تسلیم کیا ہے۔ اب یہ اکابرین عامی شامی نہیں' جید ہستیاں ہیں۔ اس نازک صورتحال میں علماء کرام اسی معروف تاویل کا سہارا لیتے ہیں کہ غیر تشریعی نبی سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ہے وہ چونکہ آسمانوں پر زندہ موجود ہیں' آخری زمانے میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ (Renaissance) کے لئے تشریف لائیں گے۔ اس پر ذہین احمدی فوراً یوں گرفت کرتے ہیں۔ جناب! اصل چیز پھر ''ضرورت نبوت'' ہوئی۔ اگر تجدید واحیائے دین کے لئے پرانا نبی آسکتا ہے تو نیا کیوں نہیں؟ اور پھر وہ نیا جو قرآن کو منسوخ کرنے والا نہ ہو' حضورﷺ کا امتی ہو۔ نیز ختم نبوت کے پھر معانی یہی ہوئے کہ حضورﷺ فضیلت کے اعتبار سے سب سے بلند درجہ نبی ہیں' آپﷺ کے بعد آپﷺ کی پیروی میں کوئی نبی مبعوث ہو جائے تو آپﷺ کی ختمیت مرتبی متاثر نہیں

ہوتی جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کی آمد ثانی کے بعد متاثر نہیں ہوگی کیونکہ وہ اللہ کے نبی ہوں گے اور مسلم شریف کی احادیث کے مطابق ان پر وحی بھی اترے گی۔

دوستو! یہ جری شخص غلام احمد پرویز تھا جس نے قرآن کی رو سے توضیح کی، ختم نبوت کا مطلب ہے، حضورؐ ہر لحاظ سے آخری نبی ہیں۔ اب ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، پرانا نہ نیا۔ قرآن بار بار شہادت دیتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام بھی اسی طرح وفات پا چکے ہیں جس طرح تمام انبیاء کرام رحلت فرما گئے ہیں۔ چنانچہ اب کسی کی آمد کا سرے سے کوئی سوال ہی نہیں کیونکہ ختم نبوت کا مطلب ''ضرورتِ نبوت'' کا خاتمہ ہے۔ اب ہدایت کا سرچشمہ صرف اور صرف قرآن ہے، کوئی نئی وحی نہیں، حتیٰ کہ کسی مترادف نام و متبادل عنوان سے بھی اللہ کا کلام کسی بندے پر نازل نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ کا کلام حجت ہوتا ہے، اب قرآن کے بعد جو اس حجت کو بیچ میں لائے گا، وہ امت کو نئی تقسیم سے دوچار کرے گا۔

ویسے جملہ معترضہ کے طور پر ذرا غور کیجئے کہ احمدیوں کا مسئلہ سلجھانا کتنا آسان تھا یہ لوگ وفات مسیحؑ کے پہلے ہی قائل ہیں۔ انہیں صرف خاتم النبین کا مفہوم سمجھانے کی ضرورت تھی۔ انہیں بتایا جاتا کہ آیات روایات پر مقدم ہیں۔ جب آیات یہ اصولی فیصلہ دے رہی ہیں کہ نئی نبوت ممکن ہی نہیں تو آپ اس فیصلے کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں، کسی اور طرف آپ کو دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ واضح سی بات ہے کہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ قول رسولؐ اور آیت ربانی میں تناقض ہو۔ جب اللہ کی کتاب کہہ رہی ہے حضورﷺ آخری نبی ہیں اور حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے ہیں تو پھر حضورﷺ کا نقطہ نظر اس سے ہٹ کر کیسے ہو سکتا ہے؟ نتیجہ معلوم! دیکھنے والی چیز یہ ہے کہ ازسرنو جائزہ لیا جائے وہ فرامین جو حضورﷺ سے منسوب کئے جا رہے ہیں کیا وہ حضورﷺ کے ارشادات ہیں بھی یا نہیں؟ پرویز صاحب نے ہی قوم کو سمجھایا کہ حدیث رسولؐ رہنمائی کا بلاشبہ سرچشمہ ہے لیکن یہ طے ہونا ازبس ناگزیر ہے کہ جسے حدیث رسولؐ کہا جا رہا ہے وہ حدیث رسولؐ ہے بھی یا نہیں؟ اور ساتھ ہی انہوں نے بہترین معیار بھی مقرر کر دیا ہے کہ جو قول قرآن کے مطابق ہے وہ قول رسولؐ ہے جو اس کے برعکس ہے وہ قول رسولؐ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس تناظر میں پرویز کو منکر حدیث کہنا سراسر ناانصافی ہے یا نہیں؟

غلام احمد پرویز کی علمی خدمات کا مختصر جائزہ بھی کئی جلدوں کی کتاب میں لیا جا سکتا ہے۔ وقت آئے گا ان پر بڑی بڑی یونیورسٹیاں تحقیقی مقالے لکھوائیں گی، تب امت مسلمہ کو معلوم ہوگا کہ کتنا بڑا شخص ان میں ہو گزرا ہے۔ ایسا شخص جس نے مدت العمر قرآن اور صاحبِ قرآنﷺ سے ایسا عدیم النظیر عشق کیا کہ واقعتاً دور دور تک مثال دکھائی نہیں دیتی۔ پچاس سے زائد تصانیف چھوڑ کر جانے

والے پرویز نے کہیں نہیں کہا کہ میرا کہا حرفِ آخر ہے۔ انہوں نے عمر بھر عجز وانکسار کی ردا اوڑھے رکھی اور یہی کہتے رہے کہ میں قرآن کا معمولی طالب علم ہوں' جس طرح مجھے سمجھ آئی' خلوصِ نیت سے اسی طرح آگے سمجھانے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔ یہی بنیادی وجہ ہے کہ اتنا اہم علمی خزینہ تخلیق کرنے والے پرویز نے کسی فرقے کی بنا نہیں رکھی۔ ان کی جماعت وہی تھی جو رسول کریم ﷺ کی جماعت تھی۔ ظاہر ہے اللہ کے نبی نے اپنی امت کو فرقوں میں بانٹنا تو درکنار دیکھنا بھی پسند نہیں کیا' اسی لئے پرویز صاحب نے بھی علامہ اقبال کی طرح بس ایک فکر دی ہے' اب اس نابغہ عصر کی فکر سے پوری کی پوری امت کتنا نور کشید کرتی ہے' یہ اس پر منحصر ہے۔ انہوں نے شروع سے لے کر آخر تک قرآن مجید کی شرح اپنی ضخیم تصانیف میں محفوظ کر دی ہے۔ جو ایک مربوط نظام فکر سے بجا طور پر معنون کی جا سکتی ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ روشنی کے اس مینار سے استفادہ کرتے ہوئے اس قرآنی معاشرے کی تشکیل کریں جس میں مسرتیں ہوں' بدعنوانیاں نہ ہوں' محبتیں ہوں' خوشحالیاں ہوں' انسانی ذوات نشوونما پائیں' امن ہو' فساد نہ ہو' افلاس کا عذاب نہ ہو۔ سب اپنے سوہنے اللہ کے قوانین کی اطاعت کریں اور اس کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا ہی پیار کریں جتنا ان کی خوبصورت ذات سے ان کے دوستوں حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمر فاروقؓ۔ حضرت عثمان غنیؓ۔ حضرت علی مرتضیٰؓ اور دیگر مخلص احباب رضی اللہ تعالیٰ عنھم کو تھا۔

محترم خریدارانِ طلوع اسلام!

آپ کو مجلّہ طلوع اسلام جب بذریعہ ڈاک موصول ہو تو براہِ کرم لفافہ کو پھینکنے سے پہلے اس کے اوپر اپنے زرِشرکت سے متعلق تحریر کو ضرور پڑھئے جس پر آپ کا خریداری نمبر اور جس مہینہ اور سال تک آپ نے زرِشرکت ادا کیا ہو' وہ مہینہ اور سال اس طرح لکھا ہوتا ہے:

Subscription Paid Up to 12/2009

اس طرح آپ کو ادا شدہ یا واجب الادا زرِشرکت سے متعلق ایک نظر ڈالنے پر معلوم ہوتا رہے گا۔ نیز زرِشرکت بھیجتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ ایڈریس کی تبدیلی کی صورت میں مہینہ کی 15 تاریخ تک ادارہ کو مطلع کیجئے تاکہ اس ماہ کا پرچہ آپ کے نئے پتہ پر ارسال کیا جا سکے۔ (ادارہ طلوع اسلام)

بیادِ غلام احمد پرویز

عبدالعزیز خالد۔۔اسلام آباد

ہو گیا رخصت بساطِ تنگنائے دہر سے
اک خدا آگاہ، روشن فکر مردِ خود گرے

دانش و بینش کا پیکر، پُر بہار و خوش صفات
کلک و قرطاس و لبِ اظہار جس کی کائنات

اک ادارہ، ایک تحریک، اک مشن تھی جس کی ذات
شمع رکھی جس نے روشن فکرِ قرآنی کی تاحینِ حیات

طعنے گمراہی کے سنتا، وار بدنامی کے جو سہتا رہا
بات اپنے دل کی بیباکی سے لیکن برملا کہتا رہا

مہر خاموشی لگی خوفِ فسادِ خلق سے
جس کے ہونٹوں پر نہ پل بھر کے لئے

(کیوں نہ ہو جدت پسندی کو اِبا تقلید سے
کیا دماغِ نکتہ پرور کور مغزوں سے ڈرے؟)

جہل فتوے جس کے کفر و قتل کے دیتا رہا
کشتیِ عمرِ رواں جو بحرِ ہیبت ناک میں کھیتا رہا

قرض مرگِ ناگہاں سے روز جو نقدِ نفس لیتا رہا

زندگی بھر تنگ ظرفی سے کیا جس نے نباہ
اک زمانہ جس کے عزم و استقامت کا گواہ

بے گناہی کے سوا کیا تھا بھلا اس کا گناہ؟
تھی بقولِ محرماں اس کو نہ حرصِ مال و جاہ

باوجودِ بے نوائی بے محابا، بے پناہ
کچھ نہ رکھتا تھا وہ اقبالی قلندر

جُز دو حرفِ لا اِلٰہ

کوہکن کی جس میں پامردی، یہ وہ پرویز تھا
اور اسی باعث تھی شیریں خرد اس پر فدا

صاحبِ فرہنگ، اندیشہ سگالے، عاقلے
کہتے تھے جس کے عقیدت مند ''بابا جی'' اُسے

وہ وفاداری بشرطِ استواری کی مثال
عمر بھر کی بے قراری کا ثمر جس کا کمال

تھے بہم جس میں مذاقِ منطق و ذوقِ جمال
آگہی کی اِک فروزاں شمع تھی جو بجھ گئی

آہ بیدردی تری! اے زندگی! اے زندگی!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی

عالمی فقہ کی تجویز

اخبارات کی اطلاع کے مطابق، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد کے شعبہ اسلامی ریسرچ انسٹیٹیوٹ (I.R.I) کے زیر اہتمام اسلامی فقہ کے متعلق ایک تین روزہ سیمینار یکم اگست 2009ء سے منعقد ہوا۔ جس میں ملک کے بہترین دانشوروں اور علماء کرام نے شرکت فرمائی۔ ڈاکٹر فتح محمد ملک صاحب نے کہا کہ اس سیمینار میں علامہ اقبال کے فقہی تصورات کی وضاحت کر دینی چاہئے۔ ڈاکٹر قاسم زماں صاحب جو Princeton یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں انہوں نے فرمایا کہ اجتہاد کا دروازہ بند کرنا مناسب بات نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ گذشتہ صدیوں میں ہندوستان کے علماء نے اجتہاد جاری رکھا اور اسلامی فقہ پر بڑا عمدہ لٹریچر فراہم کیا ہے۔ انہوں نے خاص طور پر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری، مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اور علامہ اقبال کے کام کا تذکرہ کیا اور یہ بھی فرمایا کہ اجتہاد کے بارے میں ہندوستان کے علماء نے عرب ممالک کے علماء سے بھی رابطہ قائم رکھا تھا۔ معروف دانشور اور عالم جناب محمود غازی صاحب نے فرمایا کہ اب حنفی و جعفری فقہ کا دور ختم ہو گیا ہے اور اب ہمیں ایک عالمی فقہ وضع کرنا ہوگا۔ مختصر یہ کہ اس سیمینار میں تمام علماء اور دانشور حضرات نے صرف مولویانہ مذہبی نظریات و خیالات ہی پیش فرمائے ہیں۔ دین کا کوئی تصور ان حضرات کے سامنے نہیں تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام اسلامی ممالک اور خاص طور پر ترکی اور پاکستان ایک طویل عرصہ سے اسلامی قوانین یا دوسرے الفاظ میں فقہ و شریعت کی تدوین کے بارے میں بے حد اضطراب میں مبتلا ہیں۔ اگر آپ علامہ اقبال کے خطبات اور ان کے خطوط، خصوصاً بنام صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ وہ اس وقت کی ضرورتوں سے کس حد تک آگاہ تھے۔ ان کی بڑی خواہش تھی کہ ان کے ہم عصر اہل قرآن عالم خواجہ احمد الدین صاحب امرتسری، فقہ اسلامی میں تحقیقی کام کریں اور قرآن کریم جو اپنے کمال اور خود مکتفی ہونے کا مدعی ہے، اس کو فقہی دلائل سے ثابت کر کے دکھا دیں۔ انہوں نے خاص طور پر عدل کے مسئلہ پر خواجہ

صاحب سے راہنمائی بھی حاصل کی تھی' کیونکہ انہیں اس مسئلہ میں بہت تردد تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ اقبال کے دور تک تو سابقہ تدوین کردہ فقہ اسلامی میں اجتہاد کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی لیکن اب وہ دور بھی گذر چکا ہے۔ جیسا کہ معروف سکالر محمود غازی صاحب نے اپنی تقریر میں نشاندہی فرمائی ہے اب سابقہ تدوین کردہ حنفی وجعفری فقہ کا دور گذر چکا ہے ان کے الفاظ میں اب Cosmopolitan یعنی عالمی فقہ بنانا ضروری ہے' جس پر ساری دنیا میں عمل کیا جا سکے۔ تحریک طلوع اسلام تو عرصہ دراز سے یہ کہتی چلی آ رہی ہے کہ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پیشتر کا وضع کردہ فقہ بالکل بے جان اور بنجر ہے۔ اس میں اجتہاد ہو ہی نہیں سکتا (اس کا ثبوت آگے آتا ہے) اس کے وضع کرنے کا طریقہ بھی قرآن کریم کے بتائے ہوئے طریقہ کے خلاف ہے' لہٰذا یہی بہتر ہوگا کہ اس فقہ کی حد درجہ تعظیم وتکریم کر کے' اس سے سبکدوشی حاصل کر لی جائے۔ کیونکہ جب تک یہ لاشیں ہم اپنے کندھوں پر اٹھائے اٹھائے پھریں گے' اس وقت تک نہ قرآن پر عمل کر سکیں گے اور نہ دنیا وآخرت میں سرخروئی حاصل کر سکیں گے۔

ہمارے فقہاء کرام نے' تدوین فقہ کے سلسلہ میں بڑی کاوشیں کی ہیں۔ فقہ واصول فقہ کے بارے میں ہزاروں کتب تصنیف کی ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا بھی مشکل ہے' ہم مسلمانوں کے بہترین دماغوں نے اس علم کی تدوین وترویج کے لئے بہت کام کیا ہے۔ مغرب میں اصول فقہ کو Jurispriudence اور فقہ کو Law کہتے ہیں اور اصول فقہ کے ماہر کو Jurist اور فقہ کے ماہر کو Lawyer کہتے ہیں۔ مغربی مفکرین اور قانونی ماہرین نے بھی وقت وحالات کے ساتھ ساتھ قانون وضع کئے۔ ہم مسلمانوں میں قانون سازی بہت عرصہ پیشتر شروع ہوگئی تھی جبکہ مغرب میں بہت عرصہ بعد یہ شروع ہوئی ہے لیکن مغربی مفکرین کی دانشوری و فطانت کے باوجود وہاں آج تک قانون کی کوئی جامع تعریف نہیں ہوسکی کیونکہ ان کے ہاں قانون کی کوئی اساس محکم ہی نہیں ہے ان کے ہاں متواتر رواج (Tradition) اور عدالتوں کے فیصلے ہی قانون کے ماخذ ہیں۔ مغربی قانون میں سند اور آخری اتھارٹی کا مسئلہ نہ اب تک طے ہوا ہے اور نہ ہی یہ طے ہوسکتا ہے۔ اس کے برخلاف ہمارے ہاں وحی الٰہی قانون کا ماخذ ہے ہمارے ہاں تو قانون کی تعریف بہت آسان اور واضح ہے کہ اللہ کا دیا ہوا حکم جسے اسلامی حکومت نافذ کرتی ہے اور جس کی اطاعت سے عبادت خداوندی ہوتی ہے۔ وہ قانون کہلاتا ہے۔

ہمارے فقہاء کرام کی تمام محنتوں اور کاوشوں کے باوجود ہمارے فقہ کا بیشتر حصہ قرآن کریم کے خلاف ہے اور اس موجودہ دور میں ناممکن العمل بھی ہے اور غیر مکمل بھی ہے۔ وہ اس دور کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا۔ اس فقہ کی بنیادی خامی اور نقص یہ ہے کہ یہ مذہب کی رو سے انفرادی طور پر تدوین کیا گیا ہے' اس کا دور سے بھی دین سے کوئی تعلق نہیں

ہے۔ یہ دینی نظام میں Fit in ہو ہی نہیں سکتا۔ چونکہ یہ مذہبی رو سے لکھا گیا ہے' اس لئے اس کے چند نمایاں نقائص پیش خدمت عالی کئے جاتے ہیں۔

(1) چونکہ قرآن کریم کی رو سے دین کا خالص تصور یہ ہے کہ عبادات و معاملات میں کوئی تفریق نہیں ہوتی۔ ہر معاملہ کی اطاعت ہی عبادتِ الٰہی ہے۔ ہر دنیاوی کام جو وحی کی رو سے طے کر دیا جائے وہ دینی بن جاتا ہے' اور اس کی اطاعت عبادت خداوندی ہوتی ہے۔ اس عقیدہ کے ثبوت میں کہ عبادات و معاملات کی تقسیم غیر قرآنی ہے۔ صرف چند آیات پیش خدمت عالی کی جاتی ہیں۔

1-اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ (22:41)- یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں روئے زمین پر قابو دے دیں تو یہ لوگ نماز ادا کریں گے' اور زکوٰۃ دیں گے' نیکی کا حکم دیں گے' برائی سے منع کریں گے اور ہر معاملہ کا فیصلہ قانونِ خداوندی کے مطابق ہوگا۔

آیۂ کریمہ میں اقامتِ صلوٰۃ' ایتائے زکوٰۃ' امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور ہر معاملہ کا فیصلہ قانون خداوندی کے مطابق طے کرنا' ان پانچ امور کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہمارے علمائے کرام ان میں سے پہلے دو یعنی اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کو تو عبادت خداوندی گردانتے ہیں اور باقی تین امور' امر بالمعروف' نہی عن المنکر اور تمام امور کے فیصلے وحی کے مطابق کرنے کو عبادت کے بجائے معاملات میں شمار کرتے ہیں' لیکن قرآن کریم نے ان پانچوں امور کو صرف ایک صف میں رکھا ہے' اور زمین پر اقتدار حاصل ہونے پر منحصر قرار دیا ہے اور ان پانچوں امور کو عبادت قرار دے کر عبادات و معاملات کی تفریق ختم کر دی ہے۔

2-ارشاد ہوتا ہے: وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (2:83)- لوگوں کے ساتھ نرمی سے باتیں کرو۔ اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔

اس آیت کریمہ میں لوگوں کے ساتھ نرمی سے باتیں کرنے کو اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے ہم پلہ قرار دیا ہے اور تینوں امور ایک ہی درجہ میں بیان ہوئے ہیں۔ اگر اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ عبادت ہے تو یقیناً لوگوں کے ساتھ نرمی سے گفتگو کرنا بھی عبادت ہے۔

3-فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ھُوَ مَوْلٰکُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ (22:78)- نماز پڑھا کرو' زکوٰۃ دیتے رہو اور خدا (کے احکام) کو مضبوطی سے پکڑو' وہی تمہارا سرپرست ہے' اور کیا اچھا مددگار ہے۔

یہاں اعتصام باللہ سے مراد تمام مفسرین نے قرآن کے احکامات پر عمل کرنے کو قرار دیا ہے۔ قرآن کریم کے تمام احکام پر عمل کرنا' ان کی اطاعت کرنا' اسی طرح عبادت خداوندی ہے جس طرح اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ عبادت ہے۔

اس سلسلہ میں مزید متعدد آیات پیش کی جا سکتی ہیں' چونکہ مضمون طویل ہو جائے گا' اس لئے ان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(2) ہمارے فقہ کی دوسری خامی جس کی وجہ ہمارے فقہ کا بیشتر حصہ قرآن کریم کے خلاف چلا جاتا ہے' اس کے غلط مصادر و ماخذ (Sources) ہیں۔ اس مروجہ فقہ کے ماخذ ادلہ اربع' یعنی قرآن' حدیث' قیاس و اجماع ہیں۔ جبکہ قرآن کریم کے مطابق قانون کا ماخذ صرف قرآن ہونا چاہئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ..... الظَّالِمُونَ ..... الْفَاسِقُونَ** (5:44, 5:45, 5:47)۔ جو ما انزل اللہ یعنی قرآن کریم کے مطابق فیصلے نہ کرے وہ کافر' ظالم اور فاسق ہے۔ نیز سورہ شوریٰ میں ارشاد ہوتا ہے: **وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ** (42:10)۔ جس بات میں بھی تمہارا اختلاف ہو' اس کا فیصلہ اللہ کے حوالہ۔ ان چار آیات کریمات' اور اسی قبیل کی مزید متعدد آیات کریمات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم کی سخت تاکید ہے کہ عدل وانصاف کا سارا مدار صرف قرآنِ کریم پر ہے۔ قانون سازی کا مصدر و ماخذ صرف قرآن ہے اور جو کوئی بھی اس کے علاوہ کوئی اور مصدر اس میں شامل کرے گا' وہ کافر' ظالم اور فاسق ہوگا۔ لیکن ہمارے موجودہ مروجہ فقہ کا ماخذ صرف قرآن نہیں ہے بلکہ روایات' قیاس اور اجماع بھی اس کے ماخذ ہیں۔ قرآن کی رو سے منزل من اللہ میں کسی چیز کا اضافہ کرنے کے بعد فیصلہ کرنے والا اپنے آپ کو کافر' ظالم اور فاسق کے زمرہ میں شامل کر دیتا ہے۔ کیونکہ قرآن کا تو واضح اعلان ہے کہ جو بھی منزل من اللہ کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا وہ کافر' ظالم اور فاسق ہے۔

(3) تیسری خامی اس فقہ کی یہ ہے کہ یہ پرائیویٹ اور پبلک لاءز میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ یہ تقسیم سیکولر حکومتوں میں ہوتی ہے' جہاں پبلک لاء تو سیکولر قوانین پر مبنی ہوتا ہے' اور پرسنل لاء کو مذہب کی رو سے وضع کر دیا جاتا ہے۔ اسلامی حکومت میں ایسی کوئی تفریق نہیں ہوتی۔

ہمارے قدامت پرست علماء کرام ہمارے اس فقہ کو کافی سمجھتے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ مسلمان ممالک ان قوانین کو نافذ کر دیں لیکن جو روشن خیال سکالرز اور دانشمند حضرات ہیں ان کا خیال ہے کہ اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھنا چاہئے اور اس فقہ میں ہی اجتہاد کرنا چاہئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ فقہ تو بالکل بے جان ہے' اس میں اجتہاد ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ قوانین بنو عباس کے دور کی غیر اسلامی حکومتوں کے وضع کردہ

ہیں' جن کا مناسب ترین نام فقۂ ملوکیت' قوانین سلطانیہ ہونا چاہئے۔ان میں اجتہاد کیسے ہوسکتا ہے' یہ تو سارا فقہ ہی ملوکیت' جو کہ خود قطعاً حرام ہے' اس کے سائے میں پروان چڑھا ہے اور اس وجہ سے اس کا بیشتر حصہ قرآن کریم کے خلاف ہے' اس کے ماخذ ہی غیر قرآنی ہیں۔جس قانون کے ماخذ ہی غیر قرآنی ہوں' اس میں اجتہاد کا کیا مقام ہوسکتا ہے' اس فقہ میں اجتہاد کرنے' اور اس کو جاری کرنے کا لازمی نتیجہ بادشاہی اور ملوکیت دوبارہ اپنے سروں پر مسلط کرنا ہے۔

اصل یہ ہے کہ ہمارا موجودہ فقہ بنوعباس کے اس دور میں وضع کیا گیا تھا جب کہ معاشرتی حالات ہی بالکل مختلف تھے۔جبکہ موجودہ دور کے معاشرتی حالات' اس وقت کے معاشرتی حالات سے بالکل الگ ہیں۔لہٰذا اس دور کے قوانین اس موجودہ دور کا ساتھ نہیں دے سکتے' اس دور میں ہمارے معاشرتی رشتے بدلے' پیداوار کے طریقے بدلے' سماجی قدریں تبدیل ہوئیں' رسم ورواج بدلے' رہن سہن کے طریقے بدلے' سوچنے سمجھنے کا انداز بدلا' نئی ٹیکنالوجی بے شمار ایجادات اپنے ساتھ لائی' ٹی۔وی' فرج' ایئرکنڈیشنڈ' کاریں' ہوائی جہاز' ریلوے' ان سب چیزوں نے پوری زندگی بدل کے رکھ دی۔ان بے شمار تبدیلیوں کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

فقہ واصول فقہ کا دارومدار حکومت کی ساخت اور اس کی نوعیت پر ہوتا ہے۔اگر حکومت غیر اسلامی ہے' اس میں سابقہ دور کے انفرادی طور پر وضع کردہ قوانین جاری کئے جا سکتے ہیں' لیکن ان قوانین کا اجراء دین میں نہیں ہوسکتا' اس نکتہ کی وضاحت پیش خدمت عالی کی جاتی ہے۔

قرآن کریم نے اِلٰہ کا لفظ حاکم کے معنے میں استعمال کیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔

1-وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ (43:84)- کائنات کی بلندیوں اور پستیوں میں وہی حاکم ہے۔

2-أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ (25:43)- کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا حاکم بنالیا۔

3-قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَهاً غَيْرِيْ لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِيْنَ (36:29)- تو (فرعون نے) کہا کہ اگر تو نے ٹھہرایا کوئی اور حاکم میرے سوا تو تجھے قید کردوں گا۔

4- سورۂ قصص کی آخری آیات میں الہ کے لفظ کو خود Define کردیا کہ اس کے معنے حاکم کے ہیں جبکہ ارشاد ہوتا ہے: وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهاً آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (28:88)- ''اور اللہ کے سوا اور کوئی دوسرا حاکم نہ پکار' کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے' ہر چیز کو فنا ہے مگر اس کا منہ' اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔'' آیت کریمہ نے

وضاحت فرما دی کہ جس کا حکم ہوتا ہے' وہی الہ ہوتا ہے' اِلٰہ کا معنی حاکم ثابت ہونے کے بعد آپ ملاحظہ فرمائیں کہ تمام انبیاء کرام کی مشترک تعلیم یہ تھی کہ:

(1) وَإِلَى عَادٍ أَخَاهُمْ هُوداً قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُواْ اللّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَـهٍ غَيْرُهُ (11:50)- اور عاد کی طرف ہم نے اس کے بھائی ھودؑ کو بھیجا' بولا' اے قوم بندگی کرو اللہ کی' کوئی تمہارا حاکم نہیں سوائے اس کے۔

(2) وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحاً قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُواْ اللّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَـهٍ غَيْرُهُ (11:61)- اور ثمود کی طرف بھیجا اس کے بھائی صالح کو' بولا' اے قوم بندگی کرو اللہ کی' کوئی حاکم نہیں اس کا سوائے اس کے۔

(3) وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحاً إِلَى قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَـهٍ غَيْرُهُ (23:23)- ہم نے بھیجا نوحؑ کو اس کی قوم کے پاس' تو اس نے کہا اے قوم بندگی کرو اللہ کی' تمہارا کوئی حاکم نہیں سوائے اس کے۔

(4) فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولاً مِنْهُمْ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ (23:32)- پھر بھیجا ہم نے ایک رسول ان میں' اس نے کہا کہ بندگی کرو اللہ کی' کوئی نہیں حاکم تمہارا سوائے اس کے۔

اس منشا وفحویٰ کی اور بھی متعدد آیات ہیں صرف ان پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ آیات نمبر 23:32, 23:23, 11:50 ,11:61 ان تمام مقامات پر حضرت شیخ الہند اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے الہ کا ترجمہ حاکم ہی کیا ہے۔ ان تمام آیات میں اس بات پر اصرار ہے کہ اللہ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی حاکم نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ حاکم کی عبادت اس کا حکم ماننا اور اس کی اطاعت ہے۔ حاکم اور محکوم کا تعلق ہی حکم بجالانے سے بنتا ہے۔ حاکم اور محکوم کا تعلق اس کی محکومیت سے قائم ہوتا ہے۔ اس کی محکومیت اختیار کرنا ہی اس کی عبادت ہے۔ ان مبارک اور نورانی آیات سے عبادت کا معنی محکومیت خوب واضح ہو جاتا ہے۔ نیز یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ تمام انبیاء کرامؑ کی تعلیم یہ تھی کہ صرف اللہ کی محکومیت اختیار کرو اور غیر خدائی حکومتوں میں زندگی بسر نہ کرو' ان کی تعلیم کا نچوڑ ہی غیر اسلامی حکومتوں سے اجتناب کرنا ہے اور قرآنی حکومت میں زندگی بسر کرنا ہے اور اس حکومت کی اطاعت کرنا ہی عبادت خداوندی ہے۔

الہ اور عبادت کے الفاظ کی تشریح کے بعد یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی حکومت کی اطاعت ہی عبادت خداوندی ہے۔ عبادت کے لئے زاویوں اور گوشوں میں بیٹھ کر پرستش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اسلامی حکومت کے فیصلوں کی اطاعت ہی عبادت ہے اور اسلامی

حکومت کے قوانین اور اس کے فیصلے اس حکومت کی شریعت اور اسکا فقہ ہوتے ہیں۔ اس مضمون میں جو عرض کیا گیا تھا کہ گذشتہ دور کا بنایا ہوا فقہ' موجودہ دور کا ساتھ نہیں دیتا تو اس سے یہی مراد تھی کہ موجودہ دور کی اسلامی حکومت میں جن امور کے فیصلے درکار ہوں گے' وہ مسائل بنوعباس کے دور کی فقہ کو درپیش ہی نہیں تھے۔ موجودہ دور کی اسلامی حکومت میں بہت سے ایسے شعبہ اور محکمہ ہوں گے کہ ان محکموں کے احکام کی اطاعت عبادت ہوگی لیکن وہ محکمے بنوعباس کے دور میں تھے۔ اس فقہ میں ان محکموں کی ہدایت حاصل کرنے کا کوئی سراغ نہیں مل سکتا۔

جب ہماری حنفی وجعفری فقہ مدون ہوئی' اس زمانہ میں بینک نہیں تھے۔ اس لئے فقہ کی مشہور ترین کتابوں' ہدایہ' الاحکام فی اصول احکام' کتاب الفقہ علیٰ المذاہب الاربعۃ' وغیرہ میں کسی جگہ بینک کے قوانین نہیں دیئے گئے۔ اس شعبہ فقہ کی رو سے کوئی اجتہاد نہیں ہوسکتا۔ قدامت پرست علماء کو تو آپ چھوڑ ہی دیں' جو لوگ فقہ میں اجتہاد کے قائل ہیں وہ مملکت کے تمام شعبوں کو فقہ میں شامل ہی نہیں کرتے۔ لیکن دین کی رو سے مملکت کا ایک ایک شعبہ اور ایک ایک محکمہ مملکت کے ماتحت ہوگا۔ اس لئے ان کے تمام قوانین اسلامی حکومت بنائے گی اور وہی اس کی شریعت اور فقہ ہوں گی۔ بینک کا سٹاف ان قوانین کے مطابق بینک چلائے گا' اور ان قوانین کی اطاعت عبادت ہوگی۔ ایسے قوانین وضع ہوں گے کہ رقوم Write-off نہ ہوسکیں۔ اگر کوئی شخص اپنی رقم Write-off کرائے گا' وہ اسلامی شریعت کی خلاف ورزی کرے گا اور معصیت خداوندی کا مرتکب ہوگا۔

(2) پرنٹ میڈیا اور الیکٹرونک میڈیا بنوعباس کے دور میں نہیں تھا۔ اس زمانہ کے فقہ میں اجتہاد کر کے' ان کے لئے قوانین نہیں بن سکتے' ظاہر ہے کہ ان کے لئے بالکل نئے قوانین وضع ہوں گے۔ یہ اس حکومت کا فقہ ہوگا۔ اخبارات کے مدیران اور مختلف چینلز کے اینکرز' اس فقہ اور اس شریعت کی اطاعت کریں گے' اور یہی ان کی عبادت ہوگی۔

اسی طرح سٹیٹ بینک' الیکشن کمیشن' امپورٹ' ایکسپورٹ' پی۔آئی۔اے' ریلوے' واپڈا' سیکریٹریٹ کے تمام منسٹرز' فوج' پولیس' ڈاک خانہ جات' تمام محکموں کے قوانین' حکومت کی شریعت ہوں گے اور ان کی اطاعت عبادت کے مرادف ہوگی۔

ان چند سطور کے ملاحظہ کے بعد آپ خود غور فرمائیں کہ سابقہ فقہ واقعاً بے جان اور بنجر ہے یا نہیں۔ وہ صرف مذہب کی حد تک کام دے سکتا ہے۔ دین کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ بات ضرور خیال شریف میں رکھیں کہ اس فقہ کی تدوین میں ہمارے محترم علماء کرام کا کوئی دخل نہیں ہوگا۔ اسی لئے وہ دینی فقہ کے مخالف ہیں۔ ان کا دخل صرف مذہبی فقہ تک رہ سکتا ہے۔ دوسری بات یہ خوش آئند ہے کہ

اس فقہ میں فرقہ بندی نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس طریق تدوین میں فرقہ بن ہی نہیں سکتا۔

اسلام آباد میں منعقدہ سیمینار کے شرکاء کے سامنے صرف مذہب تھا ان کے سامنے دین نہیں تھا۔ یہ تبصرہ اخبار کی Cuttings پر کیا جا رہا ہے۔ غالباً ان کی تقاریر ابھی شائع نہیں ہوئیں۔ اگر ان کی تقاریر شائع ہو کر حاصل ہوسکیں تو پھر انشاء اللہ ان پر جامع تبصرہ پیش خدمت عالی کیا جا سکے گا۔

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزمِ طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	160/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	325/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	325/-
سورہ النحل	(16)	334	250/-	سورہ یٰسین	(36)	164	125/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	275/-	29واں پارہ (مکمل)	----	541	325/-
سورۃ الکہف وسورہ مریم	(18-19)	511	325/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	325/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	275/-				
سورۃ الانبیآء	(21)	336	225/-				
سورۃ الحج	(22)	380	275/-				
سورۃ المؤمنون	(23)	408	300/-				
سورۃ النور	(24)	263	200/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	275/-				
سورۃ الشعرآء	(26)	453	325/-				
سورۃ النمل	(27)	280	225/-				
سورہ القصص	(28)	334	250/-				
سورہ عنکبوت	(29)	387	275/-				

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر علی نصیر عباسی

تشکیل معاشرہ اور قرآنی کردار

جدید سائنس کے انکشافات

یوم پاکستان کے موقع پر بزم طلوع اسلام کراچی (صدر) کے زیر اہتمام 31 مارچ کو قرآنک سنٹر (صدر) میں ایک سیمینار منعقد کیا گیا تھا۔ اس سیمینار میں معروف نوجوان ماہر نفسیات ڈاکٹر علی نصیر عباسی نے ''تشکیل معاشرہ اور قرآنی کردار'' کے موضوع پر لیکچر دیا تھا جس میں قرآنی اقدار اور عصری اکتشافات کے حوالے سے اعلیٰ کردار کی تشکیل کے ضمن میں نہایت پُرمغز اور معلومات افزا گفتگو کی گئی تھی۔ ہم نہیں چاہتے کہ اس مفید اور کردار کی تعمیر میں مدد گفتگو سے قارئین طلوع اسلام کو محروم رکھا جائے۔ (سلیم اختر)

یہ سنہ 2002ء اور مارچ کی 31 تاریخ ہے' 23 مارچ کی یاد میں لگتا ہے کہ ہم سب یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔ آپ سب کو مبارک باد ہو اور آپ سب پر سلام و رحمت ہو کہ ایک اچھے مقصد کے لئے یہاں اکٹھے ہوئے ہیں ورنہ بقول علامہ اسلم جیراجپوری مسلمانوں کا اجماع و اتحاد (موجودہ تاریخ) میں ہمیشہ یا اکثر باطل پر ہی ہوا ہے۔ اس تقریب سعید پر میں تمام احباب' جو یہاں موجود ہیں اور انتظامیہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر کی خدمت میں بھی دلی ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ جناب محترم اقبال صاحب اور ان کی ٹیم قابل تعریف ہیں کہ یہ کام محنت طلب ہیں اور ان میں کافی ٹائم اور دوسرے Resources بھی لگتے ہیں۔ اس قسم کے اجتماعات میں مجھے سائنسی تحقیق آپ کے سامنے پیش کرنے کا موقع ملتا ہے تاکہ آپ کی زندگیاں سنور جائیں اور یہ ثابت ہو کہ ''قرآن حق ہے اور باقی سب افسانے یا وہم و گمان و قیاس''۔ ارشاد قرآنی ہے کہ ''ہم انہیں انفس و آفاق میں نشانیاں دکھاتے جائیں گے تاآنکہ یہ بات ابھر کر ان کے سامنے آجائے کہ قرآن فی الواقع حقیقت ثابتہ ہے۔'' (۴۱/۵۳)۔ میرا طریقۂ کار یہی رہا ہے اور اس آیت میں میرا شعبہ یا موضوع ''عالم انفس'' یعنی نفس انسانی کے معاملات ہیں

یعنی Psychology اور Psychiatry وغیرہ۔ ڈاکٹر ودود ''عالم آفاق'' سے بحث کرتے تھے۔ اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت دے۔ ایسے انسان اور عالم شاید ہی مسلمانوں میں پیدا ہوں۔ آج کی اس بامقصد محفل میں ایسے ہی معاملات سیکھیں گے۔ تاکہ ہمارے دل و دماغ بدل جائیں اور ہماری زندگی اعلیٰ بن سکے۔ اگر ہماری محفلیں بے مقصد ہیں، یعنی ہم ان میں کچھ اعلیٰ وارفع نہیں سیکھتے ہیں تاکہ عملی زندگی بہتر ہو تو ایسی محفلوں کا منعقد کرنا وقت کا اور زندگی کا زیاں اور محض فرار زندگی یعنی Escapism کی قسم ہے۔ اس لئے آپ سے تھوڑی سی محنت چاہوں گا۔ یعنی آپ کو تھوڑی Effort کوشش کر کے گہری توجہ قائم رکھنی ہوگی۔ قرآن حکیم اور علم نفسیات کا قانون مسلمہ ہے کہ ''بغیر محنت و جدوجہد کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا''۔ ہمارا موضوع کچھ ایسا ہی ہے۔ اس کے علاوہ ایک ضروری ہدایت جو نفسیاتی نوعیت کی ہے کہ میرے لیکچر کا تعلق بڑے نازک گوشوں سے ہے، اس میں عین ممکن ہے کہ آپ کے دل و دماغ میں منفی جذبات و احساسات شعوری و لاشعوری طور پر پیدا ہوں۔ تو اس کا ذمہ دار میں نہیں ہوں۔ وہ آپ کا ذاتی ردعمل (Psychosocial-Response) ہے۔ میرا مقصد آپ کے جذبات کی توہین نہیں ہے۔ اگر آپ کو یہ محسوس ہو تو یہ آپ کا ذاتی جذباتی ردعمل ہے۔ آپ کی دل آزاری میرا مقصد نہیں، ہو سکتا ہے میری اپیل آپ کی ''عقل'' یا '' Reasoning Faculty'' سے ہے جذبات سے نہیں۔ آپ میں اگر منفی ردعمل پیدا ہو تو ''علم'' حاصل کرنے اور سیکھنے کے ردعمل کو بیدار کرنے کی کوشش کریں۔ تاکہ جذباتی ردعمل وغیرہ۔ ورنہ آپ کچھ بھی سیکھ نہیں سکیں گے۔

ہمارا موضوع ہے تشکیل معاشرہ (پاکستان اس میں شامل ہے) کے لئے قرآنی کردار کی تشکیل۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ 'پاکستانی معاشرہ' کے لئے یا کسی اور معاشرہ کے لئے بھی ''قرآنی کردار'' کی ضرورت؟ لیکن کیوں؟ اس سے کیا فائدہ؟ اور ایسا نہ کرنے سے کیا نقصان ہوگا؟ اس طرح کے زندگی کے اہم ترین مسائل پر تو تحقیق سب سے زیادہ مسلمان ممالک میں ہونی چاہئے تھی۔ بہرحال کس کس بات پر روئیں اور ہمارا تحقیق سے کیا واسطہ؟ مفکر عظیم جناب پرویز صاحب نے ایک بار بڑے دکھ سے اور الم انگیز انداز میں ٹھیک کہا تھا کہ ''پاکستان میں ''علم'' جنس کا سد سمجھا جاتا ہے''۔

میں شروع ہی سے اپنا نکتۂ نظر بتا دینا چاہتا ہوں کہ چاہے وہ پاکستان کی تشکیل ہو یا کسی بھی معاشرہ کی تعمیر و بقا، اس کا دارومدار ''کردار'' یا ''کیریکٹر'' پر ہی ہے اور ہمیشہ یہی قانون رہا ہے اور رہے گا۔ ماضیٔ قریب میں (1947) آزادیٔ و تشکیل ملک پاکستان کی وجہ بھی ''کردار'' تھا اور مزید ترقی و بقا بھی ''قرآنی کردار'' کے ذریعے ہی سے ہوگی ورنہ نہیں۔

میں یہی حقیقت جدید سائنس کی تحقیقات سے ثابت کرنا چاہوں گا۔ قرآن حکیم کا سارا زور ہی کردار پر ہے یعنی "Character Is Destiny"۔ قومی معاملہ ہو یا معاشرتی

یا شخصی (Individual/Personal) ہو، یہ ہی قانون ہے۔ یعنی تشکیل کردار یا کیریکٹر سازی کے بغیر انسانی مسائل حل نہیں ہوں گے چاہے آپ کچھ بھی کر لیں۔ کراچی کے Defence میں رہ لیں یا امریکہ چلے جائیں یا چاند پر چلے جائیں کچھ بھی نہیں ہوگا۔ آیئے مزید تفصیل سے سمجھیں یعنی سائنس کی بارگاہ میں چلتے ہیں۔

اس علم کو یا Study کو عام طور پر نفسیات میں "Characterology" کہا جاتا ہے۔ یہ اب تو ایک باقاعدہ شعبۂ علم بن چکا ہے۔ اب اس کے بڑے بڑے ماہرین تحقیق و تجربات سے اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ زندگی کے ہر شعبہ میں، خاص طور پر معاشرتی اور تنظیمی معاملات میں تشکیل کردار یعنی لیڈروں کا کردار ''اعلیٰ'' ہونا ضروری ہے۔ ورنہ سب کچھ بے کار ہے۔ ساری کوششیں جو صدیوں سے ہو رہی ہیں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔

ابھی، ایک ریسرچر Sheehy نے تشکیل معاشرہ اور کردار سے متعلق 25 سالہ تحقیق کا نام ہی "Character" رکھا ہے۔ جس کی ابتداء ہی کچھ یوں ہے۔ ''اگر آپ عمل کا بیج بوئیں گے تو عادت کا پھل کاٹیں گے۔ پھر اگر عادت کا بیج بوئیں گے تو کردار یعنی کیریکٹر کا پھل کاٹیں گے اور پھر اگر کردار کا بیج بوئیں گے تو ہمیں ہماری منزل مقصود مل جائے گی'' اصل الفاظ یوں ہیں۔

"Sow an act, and you reap a habit, Sow a habit and you reap a character, Sow a character and you reap a destiny."

اس قانون کو سامنے رکھتے ہوئے وہ اپنے نتائج پیش کرتی ہیں جو غور طلب ہیں مفہوم ہے کہ ''اور جیسے ہی، جس وقت ہمارے منتخب قومی نمائندے یا نیشنل لیڈر اقتدار ہاتھ میں لے لیتے ہیں تو اسی لمحے ان کے کردار کا بیج قوم کی تقدیر بن جاتا ہے، قوم کی منزل مقصود اسی کردار کے مطابق طے پاتی ہے۔ قوم کی تقدیر لیڈروں کے کردار پر منحصر ہوتی ہے وغیرہ۔''

"By the time they become national leaders, the candidate's character are sown... the destiny they reap will be our own".

اور آپ حضرات متوجہ ہوں کہ معاملہ غور طلب آ رہا ہے کہ

"Finally, examining how character is formed in our national leaders, is an effective way to learn about our selves."

یہ تو ایسا لگ رہا ہے کہ قرآنی آیت کا ترجمہ ہو کہ، جیسے ہم خود ہوتے ہیں ویسے ہی ہمارے لیڈر ''یا'' جیسے لیڈر ویسی ہی قوم'' ..... یہ ہے پیمانہ۔

ان مسائل پر گہری اور Objective

Research معروضی تحقیق کرنے والے اب بھی مغرب میں بہت کم ہیں۔ تحقیق تو وہ ہی کرتے ہیں اور ان کا یہ احسان عظیم انسانیت پر ہے۔ بہرحال ان حالات میں بڑے انتظار اور مسلسل تحقیق کے بعد ہی ایسی اعلیٰ درجے کی علمی و عملی تحقیق سامنے آتی ہیں۔ جن عظیم علماء یا مفکرین نے ان معاملات کی گہری اور وسیع ریسرچ کی، ان میں ممفورڈ کا نام بہت اونچا ہے۔ بڑا عظیم عالم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "اگر ہم پورے کردار یا ساری شخصیت کو نہیں سنواریں گے تو ہم فیل ہوتے جائیں گے۔ جیسے کہ پچھلے پانچ سو سال کی تاریخ میں ہوا۔ معاشرتی و معاشی و سیاسی لحاظ سے بیرونی طور پر ہم کچھ بھی کر لیں اگر ہم نے متوازن کردار یا Balanced Personality تعمیر نہیں کی تو ہماری تہذیب تنزل کی طرف گرتی چلی جائے گی جیسا کہ ہمیشہ ہوا ہے، تو ضرورت مکمل نشو و نما ذات یا کردار انسانی کی ہے۔ یہ بڑا مشکل کام ہے۔"

ڈاکٹر فرام (Fromm) جنہیں شاید نوبل انعام ملنا چاہئے تھا، لیکن مغرب کی غیر منصفانہ اور سرمایہ دارانہ ذہنیت نے گوارا نہ کیا۔ جو ایک عظیم نفسیاتی ماہر و معاشرتی علوم کے بلند ترین عالم ہیں۔ ان کی ساری زندگی اسی پیچیدہ ترین موضوع کی تحقیق میں گزری اور ان کی ہر کتاب تقریباً اسی معاملے کی تفسیر ہے۔ خاص طور پر ان کی کتابیں۔

"To Have or To Be", "The Anatomy of Human Destructiveness", The Sane Society".

بڑی ہی قابل قدر خدمات ہیں نوع انسانی کی۔ وہ ان نتائج پر پہنچا ہے کہ تشکیل معاشرہ کے لئے اعلیٰ کردار ضروری اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بغیر تشکیل معاشرہ ممکن ہی نہیں اور ایسا کرنا تو کیا۔ ایسا سوچنا بھی غلط ہے اس کے برعکس سوچ Abnormal Mind یا Destructive Character کی علامت قرار دی جاتی ہے وغیرہ۔ اس کا کہنا ہے کہ اعلیٰ کردار "Being Mode" یا "Loving Character" یا (Productive-Creative Character) کے بغیر تشکیل معاشرہ ممکن نہیں۔ مثلاً "The Anatomy of Human Destructiveness" میں جو ایک Pioneering Research.... ہے اور آج تک یعنی سنہ 2002ء تک، اس کے پائے کی تحقیق نظر نہیں آتی۔ ساری کتاب میں صاف بتایا گیا ہے کہ برے یا منفی کردار یعنی Destructive Character کے لوگوں یعنی لیڈروں کے آنے سے قوموں کا کیا حال ہوتا ہے؟ اور دنیا کس دردناک عذاب سے دوچار ہوتی ہے۔ پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم کی طرح کے حادثات اور ان سے پیدا ہونے والی تباہیاں اسی کا نتیجہ ہیں مثلاً Hitler (ہٹلر) اور Stalin (سٹالن) وغیرہ کے کردار کا نتیجہ انسانیت اب تک بھگت رہی ہے۔

لینن (Lenin) کی ساری زندگی کی جدوجہد کا خاتمہ کہاں ہوتا ہے دیکھے!

لینن کی عظیم جدوجہد سے روس آزاد ہوا اور ایک معاشرتی تجربہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ لینن کردار یعنی کیریکٹر کا قائل نہیں تھا۔ لیکن زندگی کے آخری وقت میں اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوگیا۔ جب کہ (Stalin) سٹالن کو اقتدار دیا جارہا تھا۔ تو اس نے وصیت کی کہ ایسا نہ کریں۔ لیکن بہت دیر ہوچکی تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ روسی قوم نے Stalin کے کیریکٹر یا کردار کا بیج بویا اور وہ دیکھو! آپ کے سامنے روسی قوم کا نظام تباہ ہوگیا۔ صدیوں کی محنت اور عظیم قربانیاں بے کار ہوگئیں۔ آج اس تجربہ کے نتیجے عبرت کے لئے باقی ہیں۔ ساری انسانیت کے لئے یہ رک کر سوچنے اور سمجھنے کا مقام ہے کہ اس طرح کے جذباتی فیصلوں کا انجام ایسا ہی ہوگا۔

فرام کی آخری عظیم تحقیق "To Have or To Be" تو نام سے ہی ظاہر ہے۔ اس میں بھی وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اعلیٰ انسانی معاشرہ "Good Society" صرف اور صرف اعلیٰ انسانی کردار کا ہی نتیجہ ہے۔ اور برایا ''انسانیت کش معاشرہ'' انسانیت کش کردار سے پیدا ہوتا ہے۔ جسے وہ "Having Mode" کہتا ہے۔ "Having Mode" کا تجربہ تو ہمیں ہر پل ہو رہا ہے۔ اس کے تجربے کے لئے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ساری دنیا اسی کردار کے نتائج بھگت رہی ہے۔

1997ء میں ڈاکٹر Bennis نے اپنی ساری زندگی کی تحقیق پیش کی ہے۔ اس کا بین الاقوامی مقام ہے اور لیڈرشپ اور "Organizations" کے بہت بڑے ماہر مانے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر بینس کے نتائج بھی غور طلب ہیں نوع انسانی کے لئے۔ سنئے دل کے کانوں سے۔

''ہماری کامیابی و ناکامی کا دارومدار ہر طرح کی تنظیم میں (چھوٹی تنظیم سے قومی تنظیم تک) تنظیموں کی اوپری سطح کے کردار کی نوعیت و معیار (Quality) پر مبنی ہے۔''

"The Success and failure of all organization, rests on the percieved quality at the top."

اور یہ کہ ''ہم لیڈروں کے بغیر چل نہیں سکتے' کوئی کام ہی نہیں کر سکتے ہیں۔ ہماری زندگی کا دارومدار لیڈروں کے کردار کی نوعیت و معیار پر مبنی ہے''۔

"We can not function with out leaders. Our quality of life depends on the quality of our Leaders."

یعنی پھر قرآنی آیات کا مفہوم ہے کہ جیسے ہم ویسے لیڈر یا جیسے ہمارے لیڈر ہوں گے ویسی ہی قوم۔ آگے سنئے یہ سائنس دان کیا کہتا ہے:

''250 ملین امریکیوں کی زندگی کا دارومدار ہی لیڈر شپ پر ہے۔ ہمارا سارا کلچر یا سسٹم بحران زدہ ہے اور یہ بحران بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ امریکہ اپنا راستہ

بھول چکا ہے۔ نشے کی لت کے معاملے میں ہم نمبر 1 (ایک) قوم ہیں۔ سارا معاشرہ، تمام تنظیمیں اور ادارے Institutions بحران میں ہیں۔ کیونکہ ہماری لیڈرشپ کا کردار یا کیریکٹر گر چکا ہے۔ یعنی ہمارے امراض کی تشخیص دراصل لیڈرشپ کا بحران ہے۔ جس سے سارے کے سارے مسائل ابھرتے ہیں۔ جب لیڈرشپ کا معیار (Quality) گرے گا مسائل حیات بڑھ جائیں گے۔ جس طرح انسان بغیر دماغ کے کام ہی نہیں کرسکتا ہے، اسی طرح سے معاشرہ لیڈروں کے بغیر چل نہیں سکتا ہے اور اس طرح سے تنزل و تباہی جاری رہے گی۔ جب تک لیڈروں کے کردار ٹھیک نہیں کریں گے ہم بحران زدہ اور تباہ ہوتے جائیں گے۔ یعنی پہلا کرنے کا کام اعلیٰ کردار کے لیڈر بنانا ہے اور پھر معاشرتی نظام بلند ہو سکے گا۔''

لیکن سوال یہ ہے کہ لیڈرشپ ہے کیا بلا؟ ڈاکٹر بنیس کا یہ جواب انتہائی غور طلب ہے۔ سنئے! وہ کہتا ہے۔

''لیڈرشپ اعلیٰ کردار کا دوسرا نام ہے۔ (Leadership is Character) یا دوسرے الفاظ میں یہ "Integrated Adult" کو کہتے ہیں۔ (نشوونما یافتہ ذات) اور مزید سمجھاتا ہے کہ 'اس کے معانی ہیں کہ 'بحیثیت انسان 'ہم' کیا ہیں؟'' (Who we are as Human Being?) اور لیڈر کی تشکیل کا عملی طریقہ (process) وہی ہے جو اعلیٰ درجہ کا انسان بننے کا طریقہ ہے۔''

ڈاکٹر فرام اپنی عظیم کتاب "The Art of Loving" میں اس امر کی وضاحت کتاب کے آخری باب میں یوں کرتے ہیں کہ ''اگر اعلیٰ کیریکٹر کی خصوصیات عملی طور پر ہماری قوم کی زندگی میں مسلسل و متواتر منتقل نہیں ہوں گی تو کچھ بھی کر لیں، ہماری پانچ ہزار سالہ تہذیب نیست و نابود ہو جائے گی۔''

ابراہیم میسلو (Maslow) کا شمار بھی دنیا کے عظیم مفکرین اور نفسیات کے سائنسدانوں میں ہوتا ہے۔ وہ بھی عبرت انگیز و پراز نصیحت نتائج پر پہنچتا ہے کہ ''اعلیٰ سوسائٹی کے ساتھ اعلیٰ کردار شرط اولین ہے اگر اعلیٰ کردار سازی پر معاشرہ نے توجہ نہیں دی تو ہمارا وجود مٹ جائے گا۔''

آپ نے دیکھا کہ کہاں پہنچ گئے ہیں یہ علماء یا سائنسدان اور مفکر؟ دیکھئے اور غور کیجئے کہ قرآن کی آواز کہاں سے ابھر رہی ہے۔ کیا قرآن حکیم نے سچ نہیں کہا کہ ''ہم انہیں عالم انفس و آفاق میں اپنی نشانیاں دکھاتے چلے جائیں گے تاکہ یہ بات ابھر کر ان کے سامنے آجائے کہ قرآن فی الواقع حقیقتِ ثابتہ ہے''۔

پھر عرض کروں گا کہ کوئی بھی کام ہو، کوئی بھی انسانی زندگی کا معاملہ ہو اس میں کردار بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بغیر ایک قدم بھی ترقی ممکن نہیں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں یہی قانون حق ہے۔ موجودہ مسلم ممالک ہوں یا غیر مسلم قومیں، اور

ہماری تباہی و بربادی و بحران کے معاملے' جس کے ہم عین گواہ ہیں ان سب معاملات کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے۔ یعنی لیڈرشپ کا معیار اعلیٰ نہیں ہے۔ یعنی قرآنی کردار کی کمی یا نہ ہونا ہے اور یہ بات بھی غور طلب ہے کہ دنیائے علم جدیدہ کے یہ ماہرین جو تفصیل اس کردار کی بتاتے ہیں کہ جس کے بغیر بات بنتی نہیں ہے' تو آپ یہ دیکھ کر حیران ہوں گے اور بات ہے بھی باعث رشک کہ وہ قالب یا "Pattern" یا "Design" بھی قرآنی کردار کی (غیر مکمل) سی تفصیل ہوتی ہے۔ جس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے۔ مختصراً عرض ہے کہ آج متمدن دنیا اپنی تحقیق سے اس مقام اعلیٰ تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہے جس کا انکار وہ عملی طور پر صدیوں سے کرتی چلی آئی ہیں۔ نامور مفکر ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری جو مشرق و مغرب کا گہرا تجزیہ و مطالعہ رکھتے ہیں اور اسلامی تہذیب کے بڑے عالم ہیں۔ اپنی تحقیق کو یوں بیان کرتے ہیں کہ دل و دماغ روشن ہو جاتا ہے:

''میرا خیال ہے کہ دنیا کی متمدن قومیں آج وہاں تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ جس مقام پر فاروق اعظمؓ (حضرت عمرؓ) اس زمانے میں پہنچے تھے۔ لیکن یہ متمدن قومیں آج بھی اس مقام تک سخت جدوجہد اور مشکلات کا مقابلہ کیے بغیر نہیں پہنچ سکیں گی۔'' (الفتنۃ الکبریٰ)۔

یورپ اور امریکہ کی تاریخ میں وہ دن سیاہ ترین دن تھا' جب ان کی درسگاہوں سے یہ اعلان کیا گیا کہ قرآن یا اسلام بھی دوسرے مذاہب عالم کی طرح ایک مذہب یعنی محض "Religion" ہے اور مذہب کو تو وہ تیاگ چکے تھے۔ قرآن حکیم کو بھی وہ عین اس مقام پر لے آئے۔ دنیا کے تمام مذاہب تو مغرب کے علماء کے نزدیک افسانے بن کر رہ گئے تھے جو حقائق کا مقابلہ ہی نہیں کر سکتے تھے اور دنیا نے مغرب کے دوسرے مذاہب کے خلاف جو ردعمل اختیار کیا' اس کی شدت میں بغیر تحقیق کیے یہ جذباتی فیصلہ عام طور پر نافذ کر دیا جس کے نتائج یہ نکلے کہ وہ قرآنی حقائق کی طرف سے اندھے اور بہرے ہو گئے۔ اس گناہ عظیم کے بعد کس طرح پھر حقائق قرآنی ان کے سامنے آ سکتے تھے۔ مزید یہ کہ ہمارے موجودہ کردار نے بھی تو انہیں روک رکھا ہے کہ ایسے ہوتے ہیں مسلمان جیسے ہم ہیں۔ جس کی وجہ سے ہم دوگنے عذاب میں مبتلا ہیں۔ یہ خدا کا قانون ہے۔

اب ہم آتے ہیں تشکیل پاکستان کی طرف' کہ اس کا کردار سے کوئی تعلق ہے بھی یا نہیں؟ ہم وقت کی کمی اور دوسرے محرکات کی وجہ سے اختصار سے کام لیں گے۔

انیسویں صدی کا آغاز ہو چکا تھا سلطنت مغلیہ آخری ہچکیاں لے رہی تھی اس برصغیر کے مسلمانوں کی داستان زوال' مایوسی اور شکست کے ان مراحل سے گزر رہی تھی جن کا انجام حسرت ناک موت کے سوا اور کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ مسلمانان ہند کے زوال و شکست کی یہ تاریک رات عہد رفتہ میں صدیوں تک پھیلی ہوئی تھی کہ 1857ء کی بغاوت ہند' شدت جذبات کی آخری کڑی ثابت ہوئی۔ یہ جرات مسلمانوں کو بڑی ہی مہنگی پڑی

اور انگریزوں نے ہندوؤں کی سرپرستی کی اور یہ دونوں مظلوم و نہتے مسلمانوں کے خلاف ڈٹ گئے۔ آتش انتقام سے محکومی و محرومی و مظلومی، غربت و افلاس، بے بسی اور بے چارگی کے بھیانک سائے چاروں اطراف سے مسلمانان ہند کو گھیر چلے تھے۔ مسلمانوں کی زندگی گویا کہ ایک قبرستان سی بن گئی تھی۔ چاروں طرف حسرت و مایوسی اور شکست کی نوحہ خوانیاں بپا تھیں اور نظر آتا تھا کہ یہ قوم اب گری یا اب۔ جیسے کہ موت کا انتظار ہو۔ یہ دم توڑتی ہوئی قوم عالم سکرات میں ایک بار پھر نشاۃ ثانیہ اختیار کر سکے گی، زندہ ہو سکے گی، ممکن ہی نظر نہیں آتا تھا۔ کوئی معجزہ ہی ایسا کر سکتا تھا۔ یہ معجزہ ہوا۔ وہ معماران پاکستان کے کردار Character کا معجزہ تھا۔ ان کے عظیم کیریکٹر نے پھر سے ہمیں دنیا کی آزاد قوموں کی صف میں لا کھڑا کیا۔

تاریخ بتا رہی ہے کہ قومی زندگی کے نازک ترین موڑ پر اگر ہمیں ان عظیم و جلیل راہ نماؤں کی قیادت نصیب نہ ہوتی تو آج ہم اغیار کی غلامی اور محکومی میں مزید تباہ و برباد ہو رہے ہوتے جیسا کہ پچھلے پچاس سالوں میں ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ ہوا ہے اور موجودہ ہندو مسلم فسادات میں جو حالت زار مسلمانوں کی ہے وہ آج آپ کے سامنے ہے۔ ان حالات کی صرف ہلکی سی جھلکیاں آپ کے سامنے آتی ہیں۔ باقی حقائق ظلم و ستم کے بارے میں پروپیگنڈا (Propaganda) اور دوسرے طریقوں کی وجہ سے سامنے نہیں آ سکتے ہیں۔

ہماری نشاۃِ ثانیہ کی داستان سرسیدؒ سے شروع ہوئی اور اقبالؒ سے ہوتی ہوئی عظیم رہنما جناحؒ پر ختم ہوئی ہے۔ یہ جیت اور تشکیل معاشرہ ان تینوں کے اعلیٰ کردار کی وجہ سے ہوئی۔ مسلمان تو کیا غیر مسلم بھی ان کے کردار کے قائل ہیں۔ میں ان تینوں میں سے صرف آخری کڑی محترم جناح کے کردار کے متعلق بہت مختصر سی بحث کروں گا۔ ویسے تو ان تینوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ تھوڑا سا کہتا چلوں مثلاً علامہ اقبال جو بظاہر ہمیں لگتا ہے کہ بس محض ایک شاعر و فلسفی سے ہی تھے۔ لیکن معاملہ ایسا نہیں ہے۔ ساری زندگی انہوں نے مسلمانان ہند اور انسانیت کی خدمت کے لئے وقف کر دی۔ ان کے لئے ایک تجزیہ یہ بھی ہے کہ اگر وہ اپنی صلاحیتیں کہیں اور لگاتے، وہ اتنی تھیں کہ ''فورڈ'' وغیرہ سے بھی آگے ہوتے دولت و دنیاوی معاملات میں۔

ہم بات قائداعظمؒ کی کر رہے تھے۔ سرسید و اقبال کی جدوجہد شاید بے کار چلی جاتیں اگر جناح ان کی کی ہوئی محنت کو ساحل مراد تک نہ پہنچاتے۔ عظیم انسان و مفکر پرویز صاحب سے بڑا گواہ اور کون ہوگا۔ انتہائی مستند گواہ۔ وہ جائزہ لیتے ہیں کہ ''جناح نے پورے دور میں ایک لمحہ کے لئے بھی جذباتی رجحان کی دلفریبیوں کا سہارا نہیں لیا۔ ہندو قوم تعلیم و ترقی اور فکر و شعور کی سنجیدگی میں مسلمانوں سے کس قدر آگے تھی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں بھی گاندھی جیسی شہرۂ آفاق شخصیت کو اپنی لیڈرشپ کا سکہ جمانے کے لئے مہاتمائی روپ دھارنا پڑا اور وہی انداز اختیار کرنے پڑے جو ہندو کے جذبات کو اپیل کر سکیں۔ لیکن کیا

حیرت انگیز ہے سیاسیات ہند کی تصویر کا دوسرا رخ کہ جناح مسلمانوں جیسی جذباتی قوم کی قیادت کے لئے میدان میں آئے اورانہوں نے قومی جذبات پراثر انداز ہونے کے لئے اس قسم کا کوئی ادنیٰ کھیل کھیلنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

زندگی کے آخری سانس تک انہوں نے اس قسم کی دلفریب نمائشوں سے کلیتہً اجتناب کیا۔یہی جناح کی عظمت کا وہ امتیازی نشان ہے جسے ہم ان کے کمالات میں سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور یہی تھا ہماری فتح عظیم کا وہ حقیقی راز جو حصول پاکستان کا حقیقی امین قرار پائے گا۔'' اور'' پھر اقبال کے خطاب الہٰ آباد کے ٹھیک دس سال بعد جناح 1940ء میں قراردادِ پاکستان کو لے کر میدان میں آ چکے تھے اور یہ جدوجہد 1947ء میں حصول پاکستان پر منتج ہوئی۔'' یہ سات یا دس سالوں کا عرصہ! اور پھر یہ نتائج! تاریخ انسانیت حیران ہے کہ یہ کیسے ہوا؟ مزید یہ کہ ہماری بے سروسامانی بھی تو دیکھئے۔ جائزہ ہے کہ

''تحریک پاکستان کی مخالفتوں کا ہجوم جن کا مقابلہ قائداعظم تن تنہا کررہے تھے۔اس میں شک نہیں کہ اس تحریک کے ہم نوا لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں تھے۔لیکن ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ فوج کے سپاہیوں کی سی تھی۔ان کا کمانڈر صرف ایک تھا۔انہوں نے یہ خطرناک جنگ کس ساز وسامان کے ساتھ لڑی اس کا اعلان انہوں نے ایک اجلاس میں ان الفاظ میں کیا تھا۔''اورنگ زیب روڈ نئی دہلی پر میری نجی قیام گاہ کو شاید رشک کی نگاہوں سے دیکھا جائے۔مگر یہ تو دیکھئے کہ ہمارا سیکریٹریٹ کہاں ہے' فوج کہاں ہے' میرا اسلحہ خانہ کس قدر ہے۔۔ایک اٹیچی کیس۔ایک ٹائپ رائٹر اور پرسنل اسسٹنٹ۔بس یہ ہے ہمارا ساز وسامان اور اسلحہ اور فوج۔'' مفکر قرآن پرویز صاحب خراج تحسین یوں پیش کرتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ''اس مردمجاہد کے کردار کی پاکیزگی اور بلندی ہی تھی جس سے انگریز' ہندو اور خود اسلام کے علمبردار لیڈروں کی پیہم اور متحدہ مخالفتوں کے علی الرغم اس جنگ میں ایسی شاندار کامیابی ہوئی۔''(طلوع اسلام دسمبر 1984ء)۔

یہ تو تھی محترم پرویز صاحب کی گواہی۔اب آخر میں لیجئے دشمن کی گواہی۔لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی گواہی سے مستند گواہی اور کس کی ہوگی۔لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنی موت سے کچھ عرصہ قبل انٹرویو دیا کہ''مسلمانان ہند کو صرف یہ شخص ہی بام ترقی اور بام عروج پر لے گیا ہے۔

مسٹر ڈینس! میں اب عمر کے آخری دور میں داخل ہو گیا ہوں۔ بہت بوڑھا ہو چکا ہوں۔اس عمر میں غلط بات نہیں کروں گا۔میں نے سچ بات من وعن بیان کردی ہے۔تقسیم ہند کے ڈرامے کا واحد کردار فقط میں ہی باقی رہ گیا ہوں۔تمام سیاسی زندگی میں جس شخص سے سب سے زیادہ متاثر ہوا' وہ مسٹر محمد علی جناح کی ذات وشخصیت تھی۔ میں نے ان میں منافقت کا شائبہ تک نہ دیکھا۔ اتنا بلند کردار انسان اور قومی لیڈر شاید ہی مسلمانوں کو دوبارہ ملے۔''(جنگ 24 دسمبر 2001ء)۔

اور تازہ ترین جائزوں میں محترمہ شمیم انور نے' ابھی دسمبر 2001ء میں' اس پہلو کا جائزہ بڑی خوبصورتی سے اور اختصار سے یوں لیا ہے جسے کوزہ میں دریا بند کرنا کہا جائے تو صحیح ہوگا۔ وہ کہتی ہیں ''تاریخ ثابت کرتی ہے کہ بہرحال جناح کے مخالفین میں برطانوی تسلط' جن کی حکومت کا سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ یعنی اتنی بڑی سلطنت اور قوت کی حامل حکومت' ہندو قوم جس میں ان کے دولتمند برلا وٹاٹا بھی شامل تھے اور مسلمانان ہند کی ساری مذہبی پیشوائیت اور تنظیمیں بھی۔ ان سب کا مقابلہ جناح نے کیا۔ ان کے پاس محض اور محض اعلیٰ کردار تھا اور دیکھو کیریکٹر کی جیت ہوئی۔ یہ تمام طاقتیں ہار گئیں۔ کیریکٹر بڑی چیز ہے۔'' تو محترم ساتھیو! یہ ثابت ہوا کہ قرآنی کردار کے بغیر اعلیٰ معاشرہ کی تشکیل یا تشکیل پاکستان یا بقاء وطن ممکن نہیں۔ اللہ پاکستان کو برقرار رکھے۔ لیکن اس کے لئے انسان سازی یا کردار سازی پر توجہ دینی ہوگی۔ اسی طرح سے جیسے قرآن حکیم نے کہا ہے۔

میں نے آپ کے سامنے قرآنی حقائق (Universal Laws) کو ماڈرن سائنسی تحقیق سے سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ شاید یہ قوانین آپ کے ''دماغ'' سے ''دل'' میں اتر پائیں۔ مزید یہ کہ محترم مفکر قرآن پرویز صاحب کے الفاظ میں ''کرنے کا کام'' یہ ہے کہ

''اس اعتبار سے آنے والے تمام زمانوں کے لئے سیرت رسول اللہ ﷺ اور سیرت خلفاء راشدینؓ اسوۂ حسنہ قرار پائی ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سیرت و کردار کے حامل مومن قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ بنابریں جو قوم اسلامی نظام قائم کرنے کا عزم لے کر اٹھے اس کے لئے کرنے کا پہلا کام یہ ہوگا کہ قرآنی تعلیم و تربیت سے مومن پیدا کرے' جو نظام کو قائم کر کے چلا سکیں۔ جب یہ مومن پیدا ہو جائیں گے' تو وہ قرآنی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق اس نظام کا طریق کار بھی متعین کر لیں گے اور اسلامی قوانین بھی مرتب کر لیں گے۔ اس کے سوا اسلامی نظام کے قیام کی کوئی صورت نہیں۔''

موجودہ حالات میں ہم سب نے' اس سلسلے کے ارتقاء کے لئے زمین ہموار کرنی ہے اور بیج بونے ہیں۔ شاید صدیوں تک! پتہ نہیں فصل کون سی خوش نصیب قوم کاٹے گی۔ لیکن یاد رہے کہ جو بھی جدوجہد آپ سب نے قرآن کے مطابق کی تو ''نظام ربوبیت'' قائم ہونے میں آپ کا بھی ہاتھ ہوگا۔ کتنی بڑی سعادت ہوگی یہ اور انسانیت کی یہ بہت بڑی خدمت ہوگی۔ ایسی ہی خدمت سے کردار بنتا ہے اس عملِ پیہم میں ہمیں عام عملی سیاست میں حصہ نہیں لینا۔ نا ہی کوئی ''عوامی'' طریقے اپنانے ہیں۔ غلط ذرائع اور وسائل کا خیال تک دلوں میں نہ لائیے۔

آخر میں میں یہ عرض کروں گا کہ میں اس موضوع کا نام یہ رکھنا چاہتا تھا۔ ''بزموں کی تشکیل و بقا کے لئے قرآنی کردار

کی ضرورت'' کیونکہ بابا جی کی وفات کے بعد سے ہی ہماری تحریک کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ ہم مسلسل شدید بحران کا شکار ہیں۔ جو جاری ہے بڑی تیزی سے۔ اس کی تفصیل تو بہت طویل ہے لیکن اگر سمٹایا جائے تو وجہ اس زوال کی' سبب اس بحران کا بے زری یا وسائل کی کمی نہیں ہے۔ سبب کچھ اور ہے' وہ ہے: ''کردار یا کیریکٹر سازی نہیں ہے'' یعنی زیادہ سے زیادہ شاید ہم اپنی بزموں میں لٹریچر اور درس پھیلا رہے ہیں۔ یہ بہت ضروری ہے اور اس کام کے لئے آپ سب باعث تحسین و آفرین ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم اپنے اندر خوشگوار قرآنی کردار تخلیق نہیں کر رہے ہیں۔ نا ہی کردار سازی پر بزموں میں زور شور ہے۔ نا کوئی پلان ہیں' اپنے خاص تقاضوں کے لحاظ سے۔ مکمل طور پر تو کردار سازی نظام قرآنی میں ہی ممکن ہے لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ عملی طور پر ہم کچھ بھی نا کریں۔ یعنی ہمارا کردار تو روائتی پاکستانی' امریکی' برطانوی یا ہندوستانی وغیرہ رہے اور نتائج کچھ اور ملیں!

اب تو بہت سے لوگ اس عظیم ترین قرآنی لٹریچر سے بھی کچھ بور ہو گئے ہیں کہ ہمارے ہاں سے (Some thing new) کے تقاضے ہوتے ہیں کہ جو کچھ موجود ہے وہ کافی نہیں۔ ہماری بزموں میں دوسرے مصنفین کی "Low quality books" یعنی غیر معیاری کتابیں بھی بیچی جاتی ہیں اور پیش کی جاتی ہیں۔ اور بظاہر وجوہات بہت سی بتائی جاتی ہیں لیکن اصل وجوہات نظروں سے اوجھل ہیں۔ یہ شعوری و لاشعوری محرکات ہمیں ہڑپ کر جائیں گے۔ قرآنی پیغام پھیلانے کے ساتھ ساتھ' اگر ہم قرآنی کردار اپنے اندر تخلیق کرتے رہے تو ہم باقی رہیں گے ورنہ نہیں۔

نوع انسانی اور متمدن قوموں کا مستقبل صرف اور صرف خالص قرآنی تعلیمات سے وابستہ ہے۔ جو کہ صرف ہمارے پاس ہے اور کہیں بھی نہیں۔ نفسیاتی و معاشرتی علوم میں یہ بار بار ثابت ہو چکا ہے کہ ''محض کتابیں شائع کرنے سے اور اعلیٰ پائے کے مقرروں کے ذریعے پیغام پھیلانے سے معاشرہ میں تبدیلی نہیں آ سکتی ہے۔ وہ فکر جو عمل پیہم سے محروم ہو تو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ وہ فکر نیست یا فنا نہ ہو جائے۔'' ڈاکٹر فرام نے اس حقیقت کو یوں بیان کر دیا اور ڈاکٹر گروف Grof جو اس سال 2002ء میں بین الاقوامی سطح کے ماہر نفسیات و سائنسداں ہیں' وہ اس قانون کو یوں سمجھاتے ہیں کہ ''اگر فکر پر عمل نہیں کیا جائے گا تو وہ فکر معدوم ہو جائے گی۔ اس فکر کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہیں۔'' یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال اپنے مشہور لیکچرز کا آغاز ہی یوں کرتے ہیں کہ ''قرآن پاک کا رجحان زیادہ تر اس طرف ہے کہ 'فکر' کی بجائے 'عمل' پر زور دیا جائے۔'' حقیقت یہ ہے کہ بغیر عمل کے حق پر مبنی نظریہ بھی محض ایک تصور بن کر رہ جاتا ہے اور تصور کو اپنے اظہار کے لئے اشخاص کی ضرورت ہوتی ہے اگر سچے نظریہ کو تھامنے کے لئے افراد میسر نہ ہوں تو وہ صرف کتابوں تک محدود ہو کر ماضی کی یادگار بن جاتا ہے۔

عظیم مفکر و راہنما محترم پرویز صاحب بار بار کنونشن

میں تربیت کے دوران یہ کہا کرتے تھے کہ ''قرآنی نظام کی داعی جماعت کے افراد کو دیکھنا کہ انہوں نے اپنے اندر کس قدر تبدیلی پیدا کی ہے۔ ان کا قلب و دماغ کس حد تک قرآنی تصورات سے ہم آہنگ ہو چکا ہے۔ ان کی سیرت و کردار کہاں تک قرآنی قالب میں ڈھل چکے ہیں۔ ان کی آرزوؤں اور ارادوں کے محرکات کس حد تک قرآنی مقاصد ہیں- وہ اپنی ذات' اپنے اعزہ و اقارب اور دوسرے انسانوں کے ساتھ معاملات میں قوانین خداوندی کی کس قدر نگہداشت کرتے ہیں۔ اگر ہمارے اندر اس قسم کی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تو پھر آپ نے دوسرے معیاروں کے مطابق کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر لی ہو' قرآن کی میزان میں اس کا کوئی وزن نہیں۔ لیکن اگر ہمارے کردار اور تصورات میں انقلاب پیدا ہو چکا ہے تو یہ کامیابی بڑی کامیابی ہے۔''

وہ بار بار سمجھاتے تھے کہ ''قرآن کریم کا حقیقی مقصد انسان کی سیرت و کردار میں خوشگوار تبدیلی پیدا کرنا ہے کہ اتباع کتاب کا پہلا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ خود تمہاری اصلاح ہو۔ لیکن تم دوسروں کی اصلاح کے پیچھے تو لٹھ لئے پھرتے ہو' لیکن اپنی اصلاح کی فکر نہیں کرتے۔'' اور یہ کہ

''آپ نہ تو اپنی دعوت کے نتائج کی سست روی سے گھبرائیے اور نہ ہی سامریان عصر حاضر کی کامیابی کو ان کے مسلک کی صداقت کی علامت سمجھئے اور اسے اچھی طرح سے سمجھ لیجئے کہ اس میں سب سے زیادہ گراں بہا متاع سفر اور محکم ترین سامان حفاظت' آپ کی سیرت کی بلندی اور کیریکٹر کی پختگی ہے۔ آپ کی کامیابی کا سب سے بڑا راز' آپ کی اپنی ذات کے ساتھ دیانت اور دوسروں کے ساتھ حسن معاملہ میں پوشیدہ ہے۔ اگر آپ نے اپنے اندر یہ جوہر پیدا کر لیے تو پھر آپ کو دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی ہے۔'' ہم نے اس طرح کا سب کچھ پسِ پشت ڈال دیا ہے پھر اپنی تباہی کی وجہ پوچھتے ہیں۔

قرآن حکیم کی اقدار یا Values کے مطابق چلنے کی کوشش مسلسل کرنے سے اور ساتھ ساتھ اس پیغام عظیم کو عام کرنے سے ہمیں ہماری منزل مل جائے گی۔ جسے ''کردار'' یا ''کیریکٹر'' کہتے ہیں۔ اس طرح سے پیام قرآنی بہت تیزی سے پھیلے گا۔ جیسا کہ محترم پرویز صاحب کی زندگی کے ماڈل سے ثابت ہوتا ہے۔ ہمیں کچھ اسی طرح سے اپنے وقت کے تقاضوں کے مطابق کرنا ہوگا۔ اس پر امن اور آئینی اور احسن طریقے سے جو صبر طلب اور محنت طلب بھی ہے' ہم سے قربانیاں بھی مانگتا ہے' اس سے بڑے گہرے اور دور رس اثرات نوع انسانی پر مرتب ہوتے ہیں۔ شاید سائنس میں ''کونز'' اسے Miami Effect کہتا ہے اور کوئی Covey کی اصطلاح میں Whale Effect اور ڈاکٹر فرام کے الفاظ میں Integrated-Step کہتے ہیں۔ مثلاً قائداعظم کے آٹھ یا دس سال کا قلیل عرصہ اور محترم پرویز صاحب کی بے سروسامانی اور ہر طرف سے شدت کی مخالفت اور پھر تمام دنیا میں ان کے کام کے اثرات جو تیزی سے پھیلے اور مزید پھیلیں گے وغیرہ۔ یہ زندہ مثالیں ہیں۔ یہ سب صرف کردار سے ممکن ہے۔ قرآن حکیم کا

ارشاد ہے کہ ''اپنے اللہ کے لئے ایک ایک دو دو کر کے کھڑے ہو جاؤ اور حالات و کوائف نے تمہیں جس منزل میں رکھا ہے وہیں سے حصول مقصد کی ابتدا کر دو۔ (33/46)۔ تو عزیز بھائیو، بہنو اور بزرگو ہو سکے تو آج سے یہ کردار سازی کا کام شروع کر دیں۔ پھر دیکھئے خدا کا قانون آپ کو کیا بنا دیتا ہے۔ ورنہ ہم کتنی بھی بزمیں دنیا میں بنالیں۔ کسی طرح کی بھی بنالیں، یہ سب کچھ ممفورڈ کے الفاظ میں محض Decorative-Style ہوگا اور کچھ بھی نہیں اور قرآن حکیم کے معیار کے مطابق کہ ''تم نے محض چند نام رکھ دیئے ہیں جن کی حقیقت محض ناموں کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔''

اللہ تعالیٰ آپ کو قرآنی کردار کی تخلیق کی توفیق عطا فرمائے۔ قرآنی کردار کا دوسرا مطلب ہے کہ نوع انسانی کے لئے ہم روزانہ کیا دیتے ہیں۔ سرمایہ زدہ ذہنیت کا تقاضا ہے ''لینا'' اور زیادہ سے زیادہ لینا، لیکن اس سے کردار مٹتا چلا جاتا ہے، ذات برباد ہوتی جاتی ہے اور انسان پست سے پست ترین حالت کی طرف چلتا چلا جاتا ہے۔ یعنی اسفل سافلین۔ اس کے برعکس جو دیتا ہے یا زیادہ سے زیادہ فلاح نوع انسانی کے لئے دیتا ہے، وہ فلاح پاتا ہے۔ اسی کی نشوونماءِ ذات ہوتی چلی جاتی ہے۔ یعنی آپ کے سامنے ارجنٹ ترین سوال و معاملہ یہ ہے کہ ''میں دوسروں کے لئے بہتر سے بہتر کیا کر سکتا ہوں؟ What Best I can do for Others? اور یاد رکھئے کہ جب تک اس سوال کا جواب عملی طور پر آپ کی زندگی سے نہیں ابھرتا، مسلسل و متواتر، آنے والی بقایا زندگی میں، تو کردار نام کی چیز کا خیال بھی دل سے نکال دیجئے اور قرآنی پیغام تو ایسے لوگ پھیلا ہی نہیں سکتے۔ مجھے امید ہے کہ آپ سب سنجیدگی سے بار بار ان حقائق پر غور و فکر کریں گے اور زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کریں گے کہ یہ زندگی دوبارہ نہیں ملے گی۔ اللہ آپ سب کو خوش و خرم رکھے اور آپ کو کامیابیاں عطا کرے۔

پاکستان زندہ باد

اہم اعلان

ادارہ طلوع اسلام کے زیر اہتمام شائع ہونے والے ماہنامہ طلوع اسلام کی

فی شمارہ قیمت 20 روپے

سال بھر کے لئے قیمت 225 روپے۔ (ادارہ طلوع اسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نیر اقبال علوی

حُسنِ ظن اور ذاتِ انسانی

چند ہفتے قبل محترم سلیم اختر صاحب کے بہت بصیرت افروز لیکچر بہ عنوان ''حسن ظن'' نے غور وفکر اور تحقیق وتجسس کے لاتعداد دَر وا کئے۔ قرآنی Termenology دنیاوی واخروی حیات کے ہر مخفی راز کو اجاگر کرنے کے پہلو بہ پہلو کثیر الجہت مفہوم ومطالب اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ انسانی عقل و ادراک اور محیر العقول سائنسی انکشافات کے طفیل پَرت در پَرت واضح ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہی کتابِ مبین کا اعجاز' اس کی انفرادیت اور اسکا کمال ہے۔ بقول غالبؔ ؎

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز!
پیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

وہم' گمان' شبہ' خیال' تہمت' بہتان' قیاس' ابہام' بدگمانی' قیافہ' غیر شفافیت' غیر واضح' بدظنی' اندیشہ' وسوسہ' حالتِ گومگو' مخمصہ..... منفی انسانی رویوں سے وابستہ اردو زبان کی ان تمام تراکیب اور الفاظ کو عربی کا فقط ایک لفظ ''ظن'' اپنے احاطے میں لیتا ہے۔ اس کی ہمہ گیریت' وسعتوں' گہرائیوں سے انسان نہ صرف سراسیمہ وششدر دکھائی پڑتا ہے بلکہ علم وعرفان اور دانش و حکمت پر فطرت کی دسترس اور حاکمیت کی داد دیئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا۔

روزمرہ زندگی میں انسانی رویوں' اس کی خصلتوں پر ''ظن'' کا اطلاق مختلف زاویوں سے ہوتا ہے لیکن میرے پیشِ نظر انسانی ذات یا ہیومن سائیکی پر مرتب ہونے والے وہ اثرات ہیں جن کا تعلق حسن ظن یا ''سوءِ ظن'' سے ہے۔ ظن فاسد یا ظنِ باطل میں مبتلاء انسان کی ذات یا اس کا کریکٹر ضعف پذیر اور غیر مستحکم رہتا ہے۔ جو لوگ غیبت' چغلی' افواہ' غیر مصدقہ اطلاع' جھوٹی خبر یا من گھڑت کہانیوں پر بلا تحقیق وتدبر' چھان پھٹک کئے بغیر بھروسہ کر بیٹھتے ہیں ان کی خودی یا ذات میں استقامت' ٹھہراؤ' جرأت اور ثابت قدمی کا عمل دخل نہیں ہوتا وہ دلیل و برہان اور تحقیق وجستجو کو بروئے کار نہ لا کر صائب اور ٹھوس رائے قائم کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں اور اس قماش کے لوگ حزن و ملال اور ان جانے خوف کے دائروں میں مقید رہتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اس حالتِ زار کی انتہائی مسحور کن وسبق آموز عکاسی کی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

حیات کیا ہے؟ خیال و نظر کی مجذوبی
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گوناں گوں

اندیشہ ہائے گونا ں گوں..... ماڈرن سائیکالوجی یعنی جدید

نفسیات نے ذاتِ انسانی سے وابستہ بے شمار سربستہ رازوں کی عقدہ کشائی کی ہے۔ مثال کے طور پر ایک نفسیاتی بیماری سائیکو سومیٹک..... ("Phychosomatic") ہمارے موضوع سے مماثل ہے۔ لغت میں اس کا مفہوم کچھ ایسے ہے۔

(a) An illness caused by the fear or anxiety in the mind rather then by a physical disorder.

(b) Concerning the relationship between the mind and the body in illness.

(Longman's Dictionary of English 'Language and Culture', page 1061.)

آگے چل کر "Anxiety" کی تعریف کچھ یوں ہے۔

An uncomfortable feeling in the mind usual caused by the fear or expectation that something bad will happen.

مبہم و غیر یقینی صورتِ حال سے دوچار، وہم میں گرفتار، وسوسوں میں گھرا ہوا شخص عام طور پر ''نروس'' کہلاتا ہے۔ انگریزی لغت "Nervous" کا مفہوم کچھ اس طرح متعین کرتی ہے۔

(Rather frightend, worried about what might happen?)

(page 892)

ماڈرن سائیکالوجی سے متعلق انگریزی لغت کی مثالیں بتانا اس لئے مقصود تھیں کہ چودہ سو سال قبل قرآن نے جو بات بتائی، آج اس پر سائنس، عقل انسانی کے ذریعے مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے۔ کیا یہ قرآن کا اعجاز نہیں؟

تذکرہ بالا میں اندیشوں، گمانوں، وسوسوں کے گرداب میں پھنسے انسانوں کے اندر اطمینانِ قلبی اور Selfconfidence کا فقدان ہر لحظہ چھلکتا رہتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ موذی بیماری نہ صرف فردِ واحد بلکہ غیر واضح و بے منزل راستوں پہ گامزن قوموں کو امربیل کی مانند اپنی گرفت میں لے کر ان کی صلاحیتوں، ان کی قوتوں اور ان کے اوصافِ حمیدہ کو چاٹ جاتی ہے جیسے آج ہماری حالتِ زار..... کہ نہ ہم قومی مفاد کے فیصلے کرنے کے قابل، نہ اپنے قومی تشخص و وقار کا دفاع کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ہمارے رویے ہر دم مدافعانہ، ہمارے فعل بزدلانہ، ہمارے تصورات مشرکانہ۔۔۔ نہ آگے بڑھنے کا شوق، نہ اپنی غیرت وحمیت کا پاس۔ چنانچہ..... سوءِ ظن ذاتِ انسانی کے لئے سم قاتل ہے۔

قرآن نے ''ظن'' کے بھی علی الرغم ''ظنِ خیر'' کی اصطلاح استعمال کی ہے اور ''سوءِ ظن'' کو چھوڑ کر ''ظن'' کے احسن اور منفعت بخش پہلو کو اختیار کرنے کی شدت سے تلقین کی ہے۔

حسن ظن کو اختیار کرنے والا مضبوط قوتِ ارادی کا مالک، صاف و شفاف ذہنیت کا حامل، خوف و خطر سے مبرا شخصیت کا مالک ہوتا ہے وہ شکوک وشبہات اور قیاس آرائیوں کا شکار نہیں ہوتا اسکی ذات گوہر آبدار کی مانند تابندہ و درخشاں، جبکہ اس کا باطن حُزن وملال سے آزاد رہتا ہے۔ وہ بلا تحقیق وجستجو، کسی افواہ، افسانے یا چہ مگوئی کو خاطر میں نہیں لاتا لہٰذا اس کا ہر فیصلہ پختہ، اس کا ہر قدم صحیح سمت، اس کے خیالات گمان بد، قیافوں اور ابہام سے پراگندہ نہیں ہوتے۔ ایسے اوصاف کے حامل افراد پر مشتمل اقوام بھی جری، دلیر، اولوالعزم اور دیگر اقوام میں ممتاز مقام حاصل کر لیتی ہیں ایسی اقوام اپنی قسمتوں کے فیصلے خود کرنے، اپنے واسطے، اپنے مفاد کی قومی پالیسیاں دینے کی صلاحیتوں سے مالا مال ہوتی ہیں۔ مثلاً جنگِ عظیم دوم کے بعد جاپان و جرمنی اور

دورِ موجود میں ایران وچین کے نام لیے جاسکتے ہیں۔علامہ اقبالؒ نے فلسفہ خودی کو استوار کرنے' ذاتِ انسانی کو تقویت بخشنے' اس کی عظمت بلند کرنے اور ملت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کی ازسرِ نو تقویم کے واسطے ''یقین'' کو بڑی شدومد' نفاست' بڑی ضرورت واہمیت اور نہایت چابکدستی کے ساتھ اپنی شاعری میں استعمال کر کے مسلمانوں کو جھنجوڑا ہے۔مثلاً وہ فرماتے ہیں ؎

یقیں' افراد کا سرمایۂ تعمیر ملت ہے!
یہی قوت ہے جو' صورت گر تقدیر ملت ہے!

دوسری جگہ کہا ؎

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ' بال و پَر روح الامیں پیدا!

اس ضمن میں چند مزید اشعار سماعت فرمائیے ؎

مشامِ تیز سے ملتا ہے' صحرا میں نشاں اس کا
ظن وتخمیں سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تاتاری
یقیں پیدا کر اے ناداں' یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری!
یقیں محکم' عمل پیہم' محبت فاتحِ عالم!
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

(حاصل بحث)

ظن المومنین خیر: ایمان والوں کا گمان نیک ہوتا ہے۔

زندگی کی کامیابیوں' شادابیوں اور خوشگواریوں کے لئے جہد مسلسل' تگ وتاز متواتر' ریاضت ومحنت کے ساتھ ساتھ بلند حوصلگی کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔لیکن یہ خاصیتیں' یہ راحتیں' یہ مسرتیں اسی وقت میسر آسکتی ہیں جب انسانی ذات مستحکم و مضبوط ہوگی اور اس کو یہ طاقت وتوانائی عطا کرنے کے واسطے سوءِ ظن نہیں بلکہ.....یقینِ کامل یا ''حسن ظن'' کی مثبت خوبی کا ہونا امرِ لازم ہے۔

ایک عظیم قرآنی خزانہ

قرآن مجید پر غور وفکر کرنے والوں کے لئے خوشخبری

مفکرِ قرآن مجید علامہ پرویزؒ صاحب کی زندگی بھر کی قرآنی بصیرت کو DVD پر دیکھا اور سنا جاسکتا ہے۔

قیمت 20 کراؤن فی سی۔ڈی علاوہ ڈاک خرچ میں طلب کیجئے۔

سی ڈی اور کتب کی خریداری ☆ بیرون ملک bazmdenmark@gmail.com

☆ اندرون ملک' فون: 5753666 42 92+' ای میل: trust@toluislam.com

خصوصی توجہ

☆ ''قیام خلافت (علیٰ منہاجِ رسالت) کی راہ میں کون حائل ہے'' فکرِ اقبال کا انتخاب پیش کیا جاچکا ہے۔آپ مزید تعاون کرسکتے ہیں۔

☆ روزنامہ جنگ 17 دسمبر 2009ء کی خبر ہے کہ 6 خلیجی ممالک نے مشترکہ کرنسی اور فوج کے قیام پر اتفاق کرلیا ہے۔آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔علامہ اسلم جیراجپوری نے کہا تھا:

''اس رواقِ نیلگوں میں مجھ کو آتا ہے نظر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اپنی ملت کا ستارہ نُور برساتا ہوا''

(بشکریہ ادارہ باغبان ایسوسی ایشن)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(یکے از مطبوعات ادارہ باغبان ایسوسی ایشن)

سبز انقلاب

☆ باغبان ایسوسی ایشن کا ماٹو ''**قرآن فہمی اور باغبانی**'' ہے۔

☆ باغبانوں کے غیر رسمی اجتماعات ہر ماہ کی 15-30 تاریخ کو ہوتے ہیں۔ جن میں باغبان اپنے تجربات، مشاہدات اور دیگر نظری معلومات کا تبادلہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی خاص، منفرد قسم کی بات یا دوسروں تک پہنچانے کی ضروری چیز ہو تو اسے نوٹ کر کے باغبان ایسوسی ایشن کے مرکز تک بھی پہنچا دیتے ہیں۔ اس طرح وہ نکتہ ریکارڈ پر آ جاتا ہے۔

☆ باغبان ایسوسی ایشن کی ممبر شپ پوری دنیا میں سب سے آسان ہے۔ سالانہ چندہ صرف دو روپے اور کوئی سے 10 عدد پھلدار پودہ جات کی فہرست اور اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو سٹیٹ دے کر ممبر شپ حاصل کی جا سکتی ہے۔ تاحیات ممبر شپ کے لئے -/100 روپے یک مشت ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جس کی رسید جاری کی جاتی ہے۔

﴿مری میں باغبانی کے 100 سال﴾

مری میں باغبانی 14-1913ء سے شروع ہوئی تھی۔ جب بیرونی پودہ جات مری میں لگانے کی ابتدا ہوئی۔ اس سے پہلے صرف مقامی پھلدار پودہ جات تھے۔ باغبانوں سے التماس ہے کہ وہ چند معلومات میں تعاون فرمائیں۔ 100 سال کی عمر کے پرانے بزرگوں سے پوچھ کر بتائیں کہ مری میں کس نے؟ کب؟ اور کیا کچھ باغبانی کے لئے کیا۔

☆ **آیئے ہفتۂ شجرکاری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور سبز انقلاب کے لئے کام کریں۔**

☆☆☆☆☆☆☆

پتہ رابطہ: (1) ملک حنیف وجدانی، صدر باغبان ایسوسی ایشن، سنبل سیداں، نیو مری

(2) صبینہ یاسمین، سینئر نائب صدر، باغبان ایسوسی ایشن، ٹبی سیداں، سوہاوہ، جہلم

(3) تنویر صادق، نائب صدر، باغبان ایسوسی ایشن، مکان نمبر 6/18، گلی نمبر 1، میاں چنوں، خانیوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

راولپنڈی 25 فروری 1985ء

سابق صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کا تعزیت نامہ

علامہ غلام احمد پرویزؔ کی بیوہ کے نام بھیجے گئے تعزیت نامہ میں اس وقت کے صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے جن الفاظ میں اظہار تعزیت کیا تھا' ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں:

''آپ کے شوہر علامہ غلام احمد پرویزؔ کی المناک وفات پر مجھے دلی صدمہ ہوا ہے۔ براہِ کرم میری تعزیت قبول فرمائیے۔

علامہ پرویزؔ کو تحریکِ پاکستان کے لئے کام کرنے کا اعزاز حاصل تھا۔ جس دوران میں انہوں نے قائداعظمؒ محمد علی جناح اور علامہ محمد اقبالؒ کے خیالات و نظریات سے استفادہ کیا۔ بعد میں انہوں نے اپنی زندگی اسلام کے مطالعہ کے لئے وقف کر دی اور اسلام کی تشریح و تعبیر اپنی بہترین ذہنی صلاحیتوں کے مطابق کی۔

علامہ پرویزؔ کو قدرت نے زورِ قلم سے نوازا تھا جسے انہوں نے اپنے نظریات کو نہایت پُر اثر انداز میں تفصیلاً پیش کرنے کے لئے کامیابی سے استعمال کیا۔ تحریکِ پاکستان کے ایک مخلص کارکن اور ایک عظیم و منفرد عالم کی حیثیت سے وہ مدتوں یاد رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے نوازے اور آپ کو یہ نقصان برداشت کرنے کا حوصلہ بخشے۔''

نظریۂ خیر

ادارہ طلوع اسلام کے چیئرمین ڈاکٹر انعام الحق صاحب کا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ بعنوان ''نظریۂ خیر' فلسفۂ اخلاق اور قرآن کی روشنی میں'' شائع ہو گیا ہے۔ یہ فکر انگیز تصنیف ادارہ طلوع اسلام 25 بی' گلبرگ 2' لاہور سے دستیاب ہے۔ 534 صفحات کی اس کتاب کی قیمت -/300 روپے ہے۔ 50 فی صد کی خصوصی رعایت کے بعد صرف -/150 روپے میں علاوہ ڈاک خرچ ادارہ طلوع اسلام سے دستیاب ہے۔

بایزید یلدرم

صابر صدیقی صاحب کا نام طلوع اسلام کے حلقوں میں تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ طلوع اسلام ٹرسٹ سے ان کی کتابیں ابلۂ مسجد' اور کن فیکون شائع ہو کر قارئین سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ''بایزید یلدرم'' ان کا ایک تاریخی ناول ہے جو انہوں نے بہت محنت سے لکھا ہے۔ یہ ناول ادارہ طلوع اسلام سے رعایتی قیمت -/150 روپے علاوہ ڈاک خرچ میں دستیاب ہے۔